Saint John's College, Agra
Ki
Adabi Khidmaat

Dissertation Submitted to Jawahar Lal
Nehru University

In Partial Fulfillment of the Requirements for the Award
of the Degree of Master of Philosophy

By

Shahana Parveen

Supervisor

Prof. Naseer Ahmad Khan

Centre of Indian Languages
Literature & Cultural Studies
Jawaharlal Nehru University
New Delhi - 110067

2002

जवाहरलाल नेहरू विश्वविधालय

JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY

NEW DELHI

Center fo Indian Languages

Date : 01/01/2002

DECLARATION

I declare that the material in this Dissertation entitled SAINT JOHN'S COLLEGE AGRA KI ADABI KHIDMAAT submitted by me is an original work and has not been previously submitted for any other degree of this or any other University / Institution.

Shabana Parveen

Name of the Scholar

जवाहरलाल नेहरू विश्वविधालय

JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY

NEW DELHI

Center of Indian Languages

Date : 01/01/2002

CERTIFICATE

This is to certify that the dissertation entitled **"Saint John's College, Agra Ki Adabi Khidmaat"** being submitted by **Mrs. Shahana Parveen** to the **Jawaharlal Nehru University,** New Delhi, for the award of the degree of **Master of Philosophy** is a record of the bonafide research work carried out by her.

She has worked under my guidance and supervision. She has partially fulfilled the requirements for the submission of the dissertation, which to my knowledge has reached the requisite standard. The dissertation of any part thereof, has not been submitted to any university or institute for the award of any degree.

Prof. Manager Pandey
Chairperson
CIL/SLL/ J.N.U.
New Delhi

Prof. Naseer Ahmad Khan
Supervisor
CIL/SLL/CS/J.N.U.
New Delhi

سینٹ جانس کالج آگرہ
کی
ادبی خدمات

مقالہ برائے

ایم۔فل

2002

مقالہ نگار

شاھانہ پروین

نگراں

پروفیسر نصیر احمد خاں

ہندوستانی زبانوں کا واحد مرکز اسکول آف لینگویئز لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز

جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۶۷

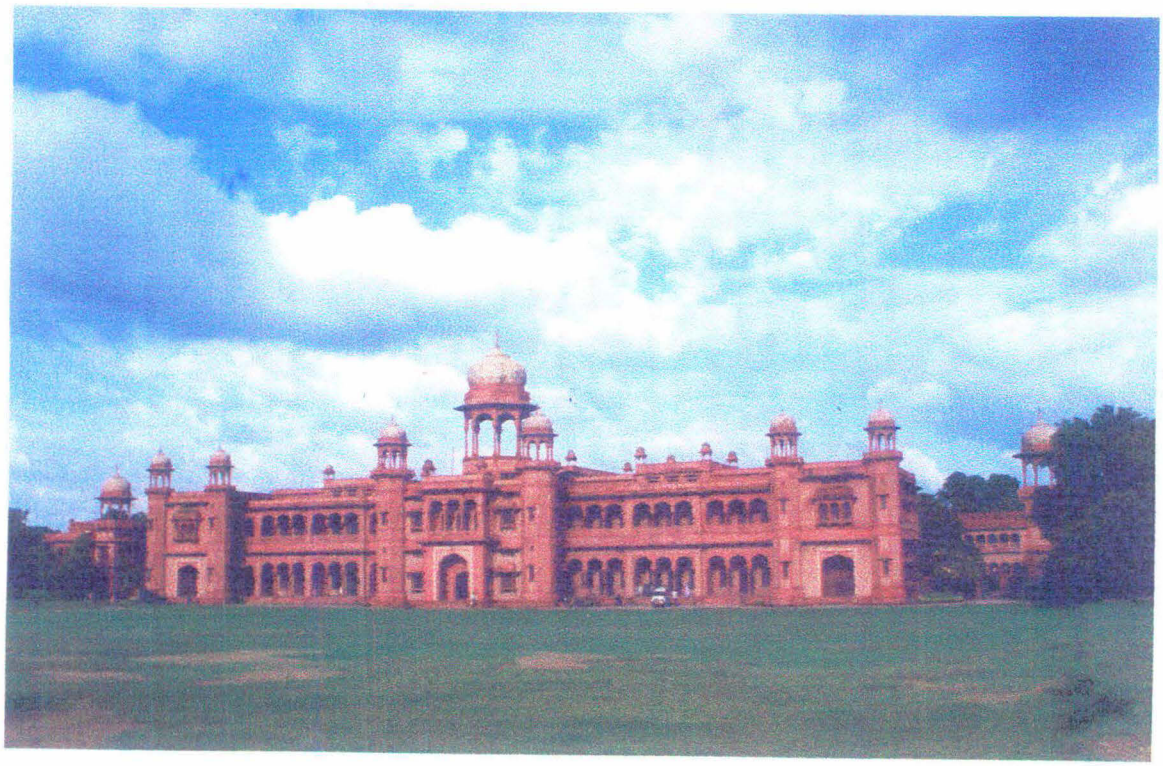

سینٹ جانس کالج کی عمارت دن کی روشنی میں

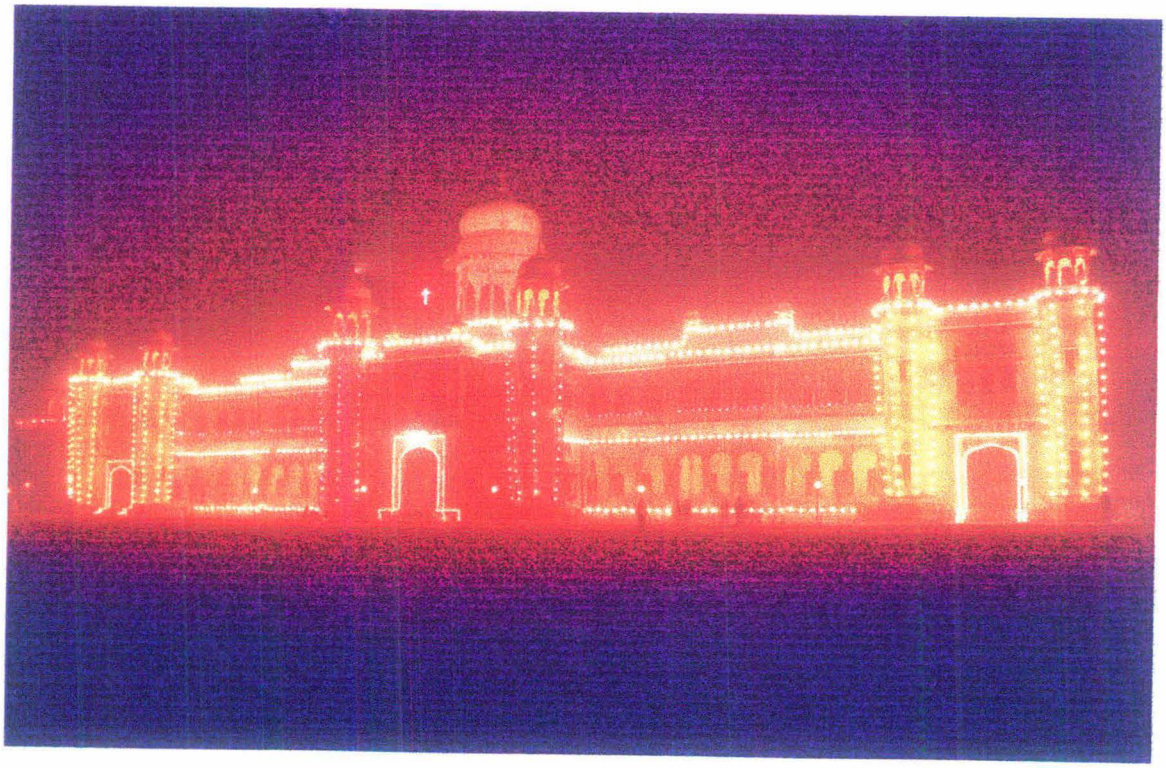

سینٹ جانس کالج کی عمارت رات کی تاریکی میں

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	سینٹ جانس کالج کی تاریخ	۱-۱۲
۲	آگرہ کی ادبی سرگرمیوں میں سینٹ جانس کالج کا حصہ	۱۳-۲۳
۳	سینٹ جانس کالج سے وابستہ ادیب وشعراء حامد حسن قادری، مغیث الدین فریدیؔ، معظم علی شاہ، علی احمد فاطمی، اسرارالحق مجازؔ، معین احسن جذبیؔ، غلام ربانی تاباںؔ، آل احمد سرورؔ	۲۴-۴۷
۴	سینٹ جانس کالج کی ادبی خدمات	۴۸-۸۵
الف	سینٹ جانس کالج کی انجمن اس کے مشاعرے، مباحثے اور جلسے	۴۸
ب	کالج کے سیمینار	۶۷
ج	کالج کی میگزین ''شفق''	۷۱
د	حامد حسن قادری کی درمیان تدریس کی تصانیف	۸۱
۵	حاصل مطالعہ	۸۶-۹۱
۶	کتابیات	۹۲-۹۴

پیش لفظ

سینٹ جانس کالج (آگرہ) کی اپنی ادبی اور تہذیبی روایت رہی ہے اور اس کا ماضی بھی بہت تابناک اور درخشاں رہا ہے۔ اس کالج نے اردو ادب کے اہم شعراء اور ناقدین کو پروان چڑھایا ہے اور مشہور و معروف شعراء و ادباء اس سے وابستہ رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب اس کے مشاعروں، جلسوں اور مباحثوں کا شہر کے لوگوں کو بڑی بے صبری سے انتظار رہتا تھا اور بیرونی شہروں سے بھی ان مشاعروں میں حصہ لینے کے لئے طلباء آتے تھے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس کالج کی ادبی خدمات کو روشنی میں لانے کے لئے محققین نے پوری توجہ نہیں دی چنانچہ میں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ اس کالج کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی جائے۔ اس موضوع پر مقالہ لکھنے کا اظہار جب میں نے اپنے نگراں ڈاکٹر پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب سے کیا تو انہوں نے اس موضوع کی اہمیت وافادیت کے مدنظر میری بہت حوصلہ افزائی کی۔ اس مقالے میں سینٹ جانس کالج کی ادبی خدمات کو پیش کرنے کی میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن میں اپنی اس کوشش میں جس کا دائرہ بڑی حد تک محدود ہے، کس حد تک کامیاب ہو سکی ہوں اس کا فیصلہ میں تو نہیں کر سکتی لیکن میری اس کوشش پر ناقدین حضرات ہی صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں۔

میں نے اپنے اس مقالہ کو پانچ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ سینٹ جانس کالج کی تاریخ قریب ۱۵۰ سال قدیم ہے اس کی تاریخ کو جانے بغیر کالج کی اہمیت کو جاننا ناممکن ہے اس لئے اس مقالہ کے پہلے باب میں، میں نے سینٹ جانس کالج کی تاریخ کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے اس میں کالج کی تاریخ کے علاوہ اردو شعبہ کی تاریخ پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس باب کی تیاری میں کالج کی انگریزی میگزین اور خصوصاً شعبہ تاریخ کے لکچرار Anil Jessop Chauhan سے بر آمد ہوئے (مواد) سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے۔

باب دوم میں میں آگرہ کی ادبی سرگرمیوں میں سینٹ جانس کالج کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آگرہ کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے آگرہ کے مشاعرے، جلسے ورسائل کالج کے اساتذہ وطلباء کے کردار پر نظر ڈالی گئی ہے۔

فانی بدایونی کے آگرہ کے قیام، کالج کے طلباء کی ان سے ملاقات اور پھر شاعری میں فانی کے اصلاح پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس باب کی تیاری میں آگرہ کے رسائل کے علاوہ میکش اکبرآبادی کا مضمون آگرہ کی ادبی شخصیتیں اور علی احمد فاطمی صاحب کا مضمون ''فانی اور آگرہ'' کے علاوہ ''اردو کالج میگزین آگرہ'' سے بھی کافی مدد لی گئی ہے۔

تیسرے باب میں سینٹ جانس کالج سے وابستہ ادیب وشعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں حامد حسن قادری، مغیث الدین فریدی، ایم۔اے۔شاہ علی احمد فاطمی، مجاز، جذبی، تاباں، آل احمد سرور، کے تعلیمی دور کی خدمات پر خاص توجہ دی گئی ہے ان اساتذہ وطلباء نے نہ صرف اپنے ادبی ذوق سے سینٹ جانس کالج کا نام روشن کیا بلکہ اپنی کاوش ولگن سے اردو ادب کا نام بھی روشن کیا۔اس سلسلے میں ان حضرات کی تصانیف کے سرسری جائزے کے ساتھ ان ادباء وشعراء کی حیات وشخصیات سے متعلق مختلف مضامین وکتب سے مدد لی گئی ہے۔

چوتھے باب کو کئی حصوں میں بانٹا گیا ہے جس میں انجمن ترقی اردو سینٹ جانس کالج کے مشاعرے، مباحثے، جلسے اور کالج کے سیمینار وغیرہ کا ذکر ہے اور کالج کی اردو میگزین ''شفق'' میں باضابطہ لکھنے والے افراد اور ان کے مضامین کے ساتھ حامد حسن قادری کی وہ تصانیف جو کہ زمانہ تدریس میں لکھی گئی ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔کالج کے ادبی جلسوں ،مشاعروں میں حصہ لینے والے طلباء وشعراء پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے اور ان ادبی مشاعروں واجلاس میں انعامات پانے والے طلباء کے نام اور ان کی غزلوں اور نظموں کے چند اشعار بھی بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں اس بات کی تیاری میں کالج کی اردو میگزین ''شفق'' سے خاصی مدد لی گئی ہے اس کے علاوہ حامد حسن قادری کی ان کتابوں پر بھی نظر ڈالی گئی ہے جو انہوں نے کالج کے قیام کے دوران لکھی۔پانچویں باب میں حاصل مطالعہ ہے۔جس میں سارے ابواب کو تلخیص کے ساتھ کالج کی خدمات کو سامنے لانے کی کی کوشش کی گئی ہے۔

اگر چہ تحقیقی عمل دقتوں اور مسائل کا سامنا کئے بغیر ممکن نہیں ہوتا لیکن اس کالج کے متعلق کبھی کوئی کتاب نہیں لکھی

گئی اس موضوع سے متعلق مواد کی قلت اوران کی فراہمی کے لئے مجھے متعدد لائبریریوں اور مقامات کی خاک چھاننی پڑی اس سلسلے میں ذاکر حسین لائبریری نئی دہلی، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ اور سینٹ جانس کالج کی سینٹرل لائبریری سے میں نے متعدد کتابیں ورسائل حاصل کئے۔ سینٹ جانس کالج کی تاریخ کبھی شائع نہیں ہوئی اس لئے کالج کی انگریزی میگزین میں دی ہوئی سالانہ پرنسپل کی رپورٹ سے استفادہ کیا گیا ہے اور کہیں کہیں انگریزی اقتباس بھی شامل کئے گئے ہیں جو کہ کالج کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں میں نے مختلف شخصیات سے بھی ملاقات کی ان میں سے زیادہ تر وہ دانشور حضرات ہیں جو کہ سینٹ جانس کالج سے کسی نہ کسی طرح وابستہ رہ چکے ہیں اس سلسلے میں، میں نے آگرہ کے کئی سفر کئے مجھے علی گڑھ کا بھی سفر کرنا پڑا کیوں کہ جناب معین احسن جذبی اور آل احمد سرور جیسے اساتذہ سے ملاقات کرنا مقصود تھا جو کہ ایک زمانے میں اس کالج کے طالب علم رہ چکے تھے۔ اپنی اس ملاقات میں جو کچھ انہوں نے فرمایا اس کو میں نے رکارڈ کیا تاکہ جب میں کالج کے متعلق لکھنے کے لئے بیٹھوں تو میری زبان قلم پر آنے والے الفاظ زیادہ تر ان حضرات کے اپنے الفاظ ہوں۔ آگرہ کے مقامی اساتذہ وشعراء میں سے اسرار اکبر آبادی، جلیل اکبر آبادی، اجمل علی شاہ اپنے اساتذہ کرام میں سے 'نسرین بیگم صاحبہ' اور اس کالج کے موجودہ صدر شعبہ ڈاکٹر عتیق احمد اشرفی سے بھی ملاقات کی اور کالج کے متعلق اہم معلومات فراہم کی۔

ایم فل کے اس مقالہ کو تحریر کرنے کے دوران مجھے جن حضرات سے مدد ملی ان کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے اس سلسلے میں میں سب سے پہلے اپنے استاد محترم اور نگراں ڈاکٹر پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرنا ضروری سمجھتی ہوں جنہوں نے میری مصروفیات ومشکلات کو سمجھتے ہوئے مقالے کی ابتداء سے انتہاء تک قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس مقالہ کی تکمیل ان کی ہمت افزائی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ اس کے بعد جن حضرات سے میں نے کالج کے متعلق ضروری جانکاری حاصل کی ان سبھی حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

اس کے علاوہ میرے والد محترم جناب ارشاد احمد خاں صاحب نے مختلف حضرات سے ملاقات کرنے اور مواد کی فراہمی میں ہر ممکن کوشش کی میں ان کے پیار و شفقت کی مشکور و ممنون ہوں اس موقع پر میں اپنے ہم جماعت عبدالناصر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مجھے مفید مشوروں سے نوازہ۔ اپنے شوہر جناب منا خاں صاحب کی مشکور و ممنون ہوں جنہوں نے اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے آخری دنوں میں اتنے قیمتی لمحات دے کر میرے مواد کی فراہمی میں تعاون دیا۔ ان کے اس خلوص کے بغیر میرے مقالہ کی تکمیل دشوار تھی میں خصوصیت سے ان کی مشکور و ممنون ہوں۔

شاھانہ پروین

ہندوستانی زبانوں کا واحد مرکز
جواہر لال نہرو یونیورسٹی
نئی دہلی

باب اول

سینٹ جانس کالج
کی تاریخ

سینٹ جانس کالج کی تاریخ

۱۹ویں صدی کی ابتداء سے قبل ہی ہندوستان کے بڑے حصے پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور جب انگریزوں نے اپنی تجارتی حکومت قائم کرلی تو انہوں نے زندگی کے دوسرے شعبوں پر بھی توجہ دینا شروع کیا۔ ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے انگریزوں کے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ وہ یہاں کی زبانیں سیکھیں جس سے حکومت کے کام انجام دینے میں انہیں آسانی ہو۔ کیوں کہ جو انگریز ملازمین یہاں پر آئے تھے وہ ہندوستان کی زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ نتیجتاً انہیں بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسی مقصد کے تحت کہ انگریز ملازمین کو ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دی جائے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا۔

پرانی کتابیں زیادہ تر مذہبی نوعیت کی تھیں۔ غیر ملکی ملازمین کو ان کتابوں سے تعلیم دینا بہت مشکل کام تھا۔ اس لئے فورٹ ولیم کالج میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا ایک شعبہ قائم کیا گیا جس میں میر امن، حیدر بخش حیدری جیسے مصنف ہوئے اور ان کی تصانیف 'باغ وبہار، قصہ مہر وماہ، لیلی مجنو، آرائش محفل' بہت مقبول وعام ہوئی۔ ان تصانیف سے انگریزوں کو ہندوستانی زبانیں سیکھنے میں بہت مدد ملی۔ ہندوستانیوں کی زبانوں کو سیکھ کر انگریز اپنا کام آسانی سے کرنے لگے۔ وقت بہت تیزی سے بدل رہا تھا اور انگریز ہمارے ملک پر حکومت کرنے کے اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اب تو انہوں نے اپنی زبان (انگریزی) اور اپنی تہذیب کی طرف بھی دست اندازی شروع کردی۔ اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کو پھیلانے کے لئے انگریزوں نے تبلیغی ادارے قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی منصوبے کے تحت ''آگرہ چرچ مشنری سوسائٹی ایسوسی ایشن'' کے نام سے آگرہ شہر میں تبلیغی ادارہ قائم کیا۔ اس تبلیغی ادارے نے اپنی تہذیب وتمدن اور عقائد کو عام کرنے کے لئے تعلیم کو ذریعہ بنایا اور ۱۶/دسمبر ۱۸۵۲ء کو آگرہ میں ہی ایک کالج ''سینٹ جانس کالج'' کے نام سے قائم کیا۔ یہ کالج ملٹری افسران اور برٹش پر مشتمل تھا۔ انہوں نے کالج کی

بنیاد ڈالنے کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ کالج کو کامیاب بنانے کے لئے چرچ مشنری سوسائٹی نے دو قابل شخص Thomas Valpy French اور Edward Craig کو آگرہ بھیجا۔ یہ دونوں بہت ہی قابل اور ذہین تھے۔ Thomas Valpy French کے بارے میں لکھا ہے کہ

"Thomas Valpy French, a brilliant Scholar, a master of seven languages and divine was sent to Agra by the Church Missionary Society of England to found this college."

فرنچ ۱۶/ اپریل ۱۸۵۰ء کو (Oxford) یونیورسٹی کے صدر مقرر کئے گئے تھے اور دوسرے Edward Craig stuart (Dublin University) میں نائب صدر مقرر کئے گئے تھے۔ پوری تیاری کے ساتھ انہیں آگرہ بھیجا گیا۔ یہاں آتے ہی کالج کی ترقی کے لئے انہوں نے اپنی مہم شروع کر دی۔

سرکار نے نئے کالج اور اور اساتذہ کے رہنے کے لئے خاصی زمین دی جو کہ پہلے عبدالمسیعہ کا کٹرہ کے نام سے مشہور تھی اور آج کل ہاسپٹل روڈ کے نام سے پہچانی جاتی ہے جہاں پر اس وقت سینٹ جانس انٹر کالج واقع ہے یہ جگہ آگرہ شہر کے بیچوں بیچ ہے۔ ۱۸۵۰ء میں کالج کو تعمیر دینے کا کام شروع کر دیا گیا اور ۱۸۵۲ء میں اساتذہ کے رہنے کے لئے گھروں کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ ۱۶/ دسمبر ۱۸۵۲ء کو باقاعدہ سینٹ جانس کالج کا آغاز ہوا اور اسی تاریخ کو کالج کا سالانہ یوم منایا جاتا ہے۔ اس سال ۱۶/ دسمبر کو ۱۰۹ سال ہو جائیں گے۔

موجودہ دور میں جس جگہ انٹر کالج واقع ہے اس کی عمارت کا نقشہ (Major kittee) میجر کٹے نے بنایا تھا۔ یہ انٹر کالج کی عمارت ہر طرف چہار دیواری اور برآمدے کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔ یہ عمارت کافی بڑی ہے اور اس کے کلاس روم بھی بہت بڑے بڑے بنے ہوئے ہیں۔ بیچ میں اسٹاف روم ہے۔ لیکن موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اسٹاف

---

(1) Principal's Report, 1970-71, College Magazine

روم کی اتنی خستہ حالت ہے کہ اس میں نہ اساتذہ کے بیٹھنے کا صحیح انتظام ہے اور نہ ہی اساتذہ کے کام کرنے کی سہولت۔ کرسی میز بھی برائے نام پڑے ہوئے ہیں۔ پرنسپل کے کمرے سے لگا ہوا آفس ہے پرنسپل کا کمرہ مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ لائبریری کی صورت حال تو بہت ہی دردناک ہے لائبریری کئی سال سے بند پڑی ہے۔ بہت کوششوں کے باوجود ہمیں لائبریری دیکھائی گئی لائبریری میں کتابوں کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ کتابوں پر دھول کی موٹی پرت چھائی ہوئی تھی۔ اردو کی کتابوں کا تو اور بھی برا حال تھا۔ آدھی سے زیادہ کتابیں برباد ہوگئی ہیں اور جو ہیں ان کی حالت بہت خستہ ہے۔

عمارت کی تعمیر کا کام جب تک ختم نہیں ہوا تب تک فرینچ ''سینٹ جانس چرچ آگرہ'' میں کاسیں لیتے رہے جو کہ سینٹ جانس انٹر کالج کے قریب ہی واقع ہے۔ فرینچ نے نصاب تعلیم تشکیل دیتے وقت اپنی تہذیب وتمدن کا پورا خیال رکھا۔ اس میں مذہبی تعلیم کو نصاب کا اٹوٹ حصّہ قرار دیا۔ طالب علموں کو بائبل کا گہرا مطالعہ کرنے کی ہدایت دی گئی۔ لکھنے کا کام سلیٹ پر کیا جاتا تھا۔ اور طالب علم صرف انگریزی کے گھنٹے میں بینچ پر بیٹھ سکتے تھے۔ مغربی طور طریقوں پر چلنے کے لئے طالب علموں کو پریشان کیا جاتا تھا۔ کالج میں جسمانی سزا دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی جسمانی سزا کے ساتھ ساتھ کالج سے نکالنے کی ممانعت تو عام بات تھی اس کے باوجود بھی ہندوستانی بھی اس کالج میں پڑھتے تھے کیوں کہ پورے ملک پر انگریزوں کی حکومت ہوگئی تھی اور ملک کے نوجوانوں کا ایک طبقہ ترقی کرنے کے لئے انگریزی سیکھنا ضروری مانتا تھا۔

۱۸۵۷ء کا زمانہ عظیم انقلاب کا زمانہ تھا۔ ہندوستان کے لئے یہ دور عجیب وغریب مسائل کا دور تھا جب حکومت براہ راست ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی اور انگریزوں کا سیاسی اقتدار ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر پھیل چکا تھا دوسری طرف ہندوستانیوں میں آزادی کی لہر پھیل رہی تھی۔ غدر سے کالج کی ترقی پر بھی بہت اثر ہوا۔ ابھی کالج کو قائم ہوئے ۵ سال ہی ہوئے تھے کہ انقلاب ہوگیا۔ اس انقلاب میں کالج کو بہت نقصان ہوا کیوں کہ کالج ابھی ترقی کی منزلیں طے کر ہی رہا تھا کہ کالج پر ایک مصیبت برپا ہوگئی۔ ہنگامہ میں انقلابیوں نے کالج کے ایک حصہ پر دھاوا

بول دیا۔ کافی تعداد میں کتابیں اور فرنیچر کی بربادی ہوئی اور کچھ عرصے کے لئے کالج میں تعلیم بھی نہیں دی جاسکی۔ انقلاب کے بعد انگریزوں نے آگرہ پر دوبارہ توجہ دی تو ۱۸۵۸ء کو فرینچ کالج میں واپس آئے کالج کو دوبارہ سے قائم کرنے میں Thomas Valpy French نے اہم کردار ادا کیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد کالج ایک بار پھر سے ترقی کی راہوں پر گامزن تھا۔ کالج نے اپنا پرانا نصاب ختم کر کے کلکتہ یونیورسٹی کے Matriculasion Course کو داخل کرلیا۔ انگریزوں نے نصاب میں تبدیلی اس لئے کی کہ پرانے نصاب سے تعلیم دینے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن اس نصاب میں بھی مغربی تہذیب وتمدن کا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ انگریزوں کی تعلیم کے سلسلے میں سید احتشام حسین رقم طراز ہیں۔

> ''انگریزوں نے جو تعلیم دینا شروع کیا تھا اس کا نصب العین بھی یہی تھا کہ ہندوستانیوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوجائے جو نہ صرف ان کے خیالات سے متفق ہو بلکہ ضرورت کے وقت ان کا معاون اور مددگار بھی ثابت ہو'' (۱)

کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب کو شامل کر لینے کے بعد ۱۸۶۱ء میں کالج کے پانچ طلباء نے مادھیمک امتحان میں شرکت کی جب کہ تعمیری کام چل رہا تھا۔ ایک بار کالج میں پھر ایک حادثہ ہوا۔ کالج کو کچھ طلباء کے غیض وغضب کا شکار ہونا پڑا۔ بھنگی برادری کا ایک طالب علم، جس نے کرشچن مذہب کو قبول کرلیا تھا اس نے اسی کالج میں داخلہ لیا۔ اعلی برادری سے تعلق رکھنے والے طالب علموں نے اس کی مخالفت کی اور اس بات کا مطالبہ کیا کہ اس لڑکے کو کالج سے نکال دیا جائے ورنہ وہ سب طالب علم کالج کو چھوڑ دیں گے اس وقت کے پرنسپل (J. Barton) جے بارٹون نے اس طالب علم کو نکالنے سے انکار کردیا۔ ۱۸۰ طالب علموں نے ناراض ہوکر کالج چھوڑ دیا۔ ان طالب علموں نے آگرہ کالج میں داخلہ لینے کی کوشش کی تو آگرہ کالج نے بھی انکار کردیا۔ اب ان طالب علموں نے ایسا کالج قائم کرنے کی سوچی جو کہ صرف ان کی برادری کے لوگوں کے لئے ہی ہو۔ آخر کار وکٹوریہ کالج وجود میں آیا۔ اس حادثے کی وجہ سے سینٹ

---

(۱) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ ۱۹۹۷ ص ۱۷۹

کالج کے سات اساتذہ نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ جس سے کالج کو کافی نقصان ہوا۔

۱۸۶۶ء میں جو طالب علم اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اساتذہ بننے کے خواہاں تھے ان کے لئے تربیتِ اساتذہ کی کلاسیں شروع کی گئی۔ سینٹ جانس کالج کے پہلے گریجویٹ بنتا دامودر داس کی تقدیر میں لکھا تھا جنہوں نے ۱۸۶۶ء میں سیکنڈ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی۔ کالج میں طالب علموں کی تعداد میں لگا تار اضافہ ہو رہا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں الٰہ باد یونیورسٹی سے کالج کا الحاق ہو گیا۔

۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۱ء تک پرنسپل جے۔ پی۔ ہیتھرنتھ ویٹ Mr. J.P. Haythornth Waite کے عہدے کی مدت کے دوران درحقیقت کالج نے بہت ترقی کی منازل طے کی۔ ۱۸۹۱ء میں کالج میں ایل۔ ایل۔ بی کی کلاسوں کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۳ء میں طالب علموں کے لئے ایک اور خوشی کی بات یہ ہوئی کہ الٰہ باد یونیورسٹی کے ایم اے کے کورس کے لئے رضامندی حاصل ہو گئی۔ اسی سال ٹیلی گرافی یعنی اشارتی اطلاعات کی کلاسیں کھول دی گئی۔ اب طالب علموں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا اور طلباء کی تعداد اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ جگہ کی قلت دردسر بن گئی۔ ۱۸۹۶ء میں کالج کی عمارت میں ایک اور عمارت کا اضافہ کیا گیا۔ جس سے کالج کو کچھ راحت ملی۔ ہیتر نتھ ویٹ اعلیٰ تعلیم یافتہ پرنسپل تھے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں طالب علموں کو آگے لے جانا چاہتے تھے جو تعلیم کالج میں دی جا رہی تھی وہ اس سے مطمئن نہیں تھے اس تعلیمی نصاب میں کھیل کود کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ انہوں نے نصاب میں اس کو شامل کیا اور باقاعدہ ایک اساتذہ کی خدمات بھی فراہم کرائی۔ ۱۸۹۶ء میں ٹینس کے لئے ایک میدان تیار کیا گیا۔ طالب علموں کی زیادتی کی وجہ سے انتظامیہ کمیٹی نے ۱۹۰۹ء میں کالج کو دو اوقات میں بانٹ دیا کیونکہ پرانی عمارتوں میں اور اضافہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ ۱۹۱۰ء میں ہیتھر ینتھ ویٹ انگلینڈ واپس چلے گئے۔ انکی شاندار خدمات کی یاد میں ہیتھرنتھ ویٹ انعام دینا شروع کیا گیا یہ انعام ان طالب علموں کو دیا جاتا تھا جو کہ پورے سال محنت کر کے تعلیم حاصل کرتے تھے اور کھیل کود میں بھی اول آتے تھے۔

۱۹۱۱ء میں Canon A.W. Davies پرنسپل کے عہدے پر مقرر کئے گئے طالب علموں کی تعداد میں اضافے کے تحت ایک اور نئی عمارت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لہذا اسی کے مدنظر نئی عمارت کی تجویز عمل میں آئی۔ عمارت کا عام خاکہ Swinton Jacob نے بنایا۔ A.W.Davies نے اس عمارت کو اپنے ذاتی پیسے سے بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ آگرہ یونیورسٹی کا سینٹ ہال بھی آپ نے اپنے خرچے پر بنوایا تھا۔ پرنسپل عمارت کو آگرہ کی مشہور مغلیہ عمارتوں کی طرح خوبصورت اور عالی شان دیکھنا چاہتے تھے۔ اعلی انجینئر کے عہدے پر Mr. W.J. Thompson کو رکھا گیا۔ ان کے تعاون کے لئے کالج کے پرانے طالب علم وحید یار خان کو مقرر کیا گیا۔

نئی جگہ پر ابھی تعمیر شروع ہی ہوئی تھی کہ حکومت نے دہلی کی از سر نو تعمیر کا فیصلہ کیا جسے آگے چل کر ہندوستان میں برطانوی حکومت کا مرکز ہونا تھا۔ اور اس بات نے کالج میں چلنے والے تعمیری کام کو بہت زیادہ متأثر کیا۔ دستکاروں اور مزدوروں کی ایک بڑی تعداد دہلی جانے لگی۔ اس وجہ سے مزدور ملنا بہت مشکل ہو گیا۔ اس عمارت میں لال پتھروں کا استعمال ہوا ہے۔ کالج کے ہال کے اندرونی حصوں اور گنبدوں میں سفید پتھر کا استعمال کیا گیا ہے۔

کسی بھی عمارت کی تعمیر کے وقت تین باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ عمارت کس مقصد کے مدِ نظر بنائی جا رہی ہے۔

۲۔ عمارت خوبصورت ہو یعنی جاذب نظر ہو۔

۳۔ عمارت مضبوط بھی ہو۔

سینٹ جانس کالج کی عمارت میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں۔ یہ عمارت خوبصورت اور مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے لئے مفید بھی ہے۔ A.W.Davies کو عمارت سے بہت لگاؤ تھا پوری عمارت کو ہر ہفتہ دھویا جاتا

تھا۔کسی شخص کو عمارت میں کیل ٹھوکنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔A.W.Davies کہتے تھے کہ ''یہ کیل عمارت میں نہیں میرے دل میں لگتی ہے'' دن میں ایک بار ضرور کالج کی عمارت کے میدان میں کھڑے ہوکر عمارت کو نہارتے تھے۔کالج کی اصل عمارت میں آرٹس اور کامرس کے شعبے ہیں جو کہ اینٹوں اور سفید پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔عمارت کے وسط میں خاصا بڑا خوبصورت ہال ہے جس میں کالج کا روزانہ کا اجتماع ہوتا ہے اور کالج کے دوسرے جلسوں کے لئے بھی اس ہال کا استعمال کیا جاتا ہے۔ہال میں دونوں جانب ستونوں کی قطاریں ہیں۔اس کے سامنے لکڑی کے منقش دروازوں سے لگا ایک بڑے محراب والا چبوترہ ہے۔یہی اصل اسٹیج ہے۔ہال کے دائیں بائیں دونوں جانب تین تین کمرے ہیں اسی طرح پہلی منزل بھی چھ کمروں پر مشتمل ہے۔ہال کے سامنے سے داخل ہونے کا ایک چوکور راستہ ہے جو کہ طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔چھت پر ایک مرکزی گنبد ہے جس کے دونوں سمت چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں۔ہال کے سیدھ میں یعنی شمال میں ایک زمین دوز گرجا گھر تھا جسے "Crypt Chapel" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔موجودہ دور میں یہ گودام کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور کالج کے ضروری کاغذات اس میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔لیکن توجہ نہ دینے کی وجہ سے قریب ۵ سال پہلے بارش کا پانی اس کے اندر چلے جانے سے بہت ضروری کاغذات برباد ہو گئے۔جس میں ۲۶ اساتذہ کے تقررا خطوط بھی ضائع ہو گئے۔جس کے سبب ان کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور کالج کی بہت اہم تحریریں بھی ضائع ہوگئی۔گودام کے اوپر کا حصہ لائبریری کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو کہ نئی عمارت کے بن جانے کے بعد گرجا گھر بنا دیا گیا۔کالج کے سامنے ایم جی روڈ سے ملے ہوئے احاطہ میں اور بھی عمارتوں کا اضافہ ہوا۔جس میں موجودہ دور میں سائنس کا شعبہ، لیوڈ ہاسٹل، ڈیوس ہاؤس، اینٹومولوجی ڈیپارٹمنٹ بنا ہوا ہے۔اس کے پاس اساتذہ کے لئے گھر بنے ہوئے ہیں۔کالج کے سامنے لائبریری ہے، یہ لائبریری ۱۹۶۵ء میں قائم ہوئی، اس کا افتتاح جناب اعلی وجے لکشمی پنڈت کے ہاتھوں ہوا۔اس لائبریری میں بیش قیمتی تصانیف کا خزانہ چھپا ہوا ہے اس لائبریری میں اردو کی کتابوں کا خاصہ سرمایہ ہے لیکن افسوس آج ان کتابوں سے فیض یاب ہونے والے طالب علم چند ہی ہیں۔

سینٹ جانس کالج نے اندرونی جنگ کے دوران بہت ترقی کی اس کالج میں کچھ مسلم طالب علم بھی پڑھتے تھے جو کہ اردو کے دل دادہ تھے۔ان طلباء نے مل کر ۱۹۱۱ء میں کالج میں ایک انجمن جناب فین تھوم صاحب کی مدد سے قائم کی۔اس کی ابتداء کے سلسلہ میں سینٹ جانس کالج میگزین میں لکھا ہے۔

''ہماری انجمن شعبہ اردو سے بہت پرانی ہے۔اس کی ابتداء انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ کی حیثیت سے ہوئی اور اس لئے اس کا نام ''انجمن ترقی اردو'' رکھا گیا۔اس کی ابتداء ۱۹۱۱ء میں ہوئی اور اس کے بانی ایک فین تھامس نامی صاحب تھے۔ابتداء میں اس کی کاروائیاں علمی مباحثوں اور مشاعروں تک محدود تھیں۔''(۱)

۱۹۱۱ء کے بعد انجمن برابر ترقی کی منازل طے کرتی رہی۔اور اپنا دائرہ اثر بڑھاتی رہی۔۱۹۱۶ء میں اس کا پہلا سالانہ جلسہ ہوا۔۱۹۲۷ء میں آگرہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اس دوران Canon Davis صاحب جو کہ کالج کے پرنسپل تھے آگرہ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔اسی دوران کالج میں کئی اور شعبے قائم کئے گئے ۱۹۲۴ء میں کالج میں بی کوم کا کورس عمل میں آیا۔ابھی تک کالج میں صرف لڑکے ہی تعلیم حاصل کرتے تھے لیکن اب لڑکیوں نے یہاں داخلہ لینا شروع کیا کالج کی سب سے پہلی طالبہ محترمہ Miss Daisy Phillps تھی جنہوں نے ۱۹۲۳ء میں ایم۔اے۔نفسیات کا امتحان پاس کیا۔۱۹۲۷ء میں سب سے پہلی خاتون اساتذہ D.Honey Bourne کا تقرر کیا گیا۔اس کے بعد طالبات کی تعداد بڑھنے لگی لہذا ۱۹۳۶ء میں Davies Hostel کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کو لڑکیوں کے لئے خاص کر دیا گیا۔

۱۹۲۷ء میں اردو کا شعبہ قائم کیا گیا اور حامد حسن قادری صاحب کا انتخاب بحیثیت استاد کیا گیا۔اس شعبہ نے کچھ ہی عرصہ میں بہت ترقی کی۔اردو کے شعبے میں سالانہ انعامی مشاعرے بھی ہوتے تھے اور انجمن ترقی اردو نے بھی اس دوران بہت ترقی کی۔ انجمن ترقی اردو کی جانب سے مشاعروں، مباحثوں اور جلسوں کے پروگرام ہوتے رہتے تھے۔اسی دوران اردو کے مایہ ناز شاعر مجاز

---

(۱) شفق ۱۹۳۷ ص ۲۴

اور جذبی نے یہاں تعلیم حاصل کی۔ غلام ربانی تاباں، آل احمد سرور، ہوش اکبر آبادی بھی اس کالج کے طالب علم رہے۔

۱۹۴۷ء کا سال ہندوستان ہی کے لئے نہیں بلکہ کالج کے لئے بھی بہت اہم تھا۔ انگریز ہندوستان چھوڑ کر جا چکے تھے اور ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو گیا تھا۔ اور کالج میں پہلی بار آزاد ہندوستان میں ۱۹۴۷ء کو سی پی مہاجن پہلے ہندوستانی پرنسپل بنے۔ ان کے زمانے میں کالج نے کافی ترقی کی۔

۱۹۵۲ء میں کالج نے اپنا سو سالہ جشن منایا اور اسی موقع پر "Centenary Wing" نام کی عمارت کا افتتاح جدید ہندوستان کے وزیر اعلیٰ پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھوں ہوا۔ "Centenary Wing" کی نچلی منزل پر پرنسپل اور کالج کا دفتر ہے اور پہلی منزل پر شعبہ نفسیات ہے اور خواتین کے لئے کامن روم ہے۔ اسی سال اردو شعبہ کے صدر جناب مولانا حامد حسن قادری اپنی شاندار خدمات کے بعد اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئے اس موقع پر کالج میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر انجمن ترقی اردو نے جو جلسہ رکھا اس کی صدارت پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے فرمائی اور رشید احمد صدیقی صاحب نے اردو کے مسئلہ پر گفتگو بھی کی انہوں نے کہا۔

> ''ہمیں اردو کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ جو زبان ہم بولیں اور لکھیں وہ زیادہ سے زیادہ آسان اور عام فہم ہو۔ اس کے لئے ہمیں ریاض کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ آسان زبان لکھنا یا بولنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔''(۱)

۱۹۵۲ء میں انجمن ترقی اردو کے عہدیداران میں مغیث الدین فریدی، ایس پریسیڈنٹ اور سید معظم علی شاہ صاحب صدر تھے۔ ۱۹۶۲ء کا اردو شعبہ کے لئے برا ثابت ہوا کیوں کہ اردو طالب علموں کی تعداد نہ کے برابر ہو گئی۔ مجبوراً شعبہ ختم کرنا پڑا۔ اب اردو کے طالب علموں کو بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان دشواریوں کو کم کرنے کے لئے آگرہ میں اردو کالج آگرہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

---

(۱) تنقید ۱۹۵۲ء ص ۵

۱۹۸۰ء میں باقاعدہ دوبارہ شعبہ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۷۹ء میں جب جناب جی۔ ایم۔ رام پرنسپل بنے۔ اردو کا شعبہ قائم ہونے میں ان کی کوششوں کا بڑا دخل رہا ہے۔ بحیثیت استاد علی احمد فاطمی صاحب کا تقرر ہوا۔ انہوں نے اپنے خون پسینے سے کالج کو سینچنا شروع کیا اور آخر کار شعبہ میں جان ڈالنے میں کامیاب ہوئے۔ فاطمی صاحب صرف تین سال یہاں رہے۔ ۱۹۸۳ء میں آپ کا تقرر الٰہ آباد یونیورسٹی میں ہوگیا لیکن تین سال جب کہ آپ کالج میں رہے اس دوران شعبہ کی ترقی کے لئے آپ نے بہت محنت کی ڈاکٹر علی احمد فاطمی صاحب نے نظیر اکبر آبادی اور سیماب اکبر آبادی پر سیمینار اور مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ جس سے اردو شعبہ میں جان پڑ گئی۔ ۱۹۸۳ء میں فاطمی صاحب کے جانے کے بعد ڈاکٹر سید محمد امین صاحب شعبہ میں بحیثیت استاد تشریف لائے۔ ڈاکٹر امین صاحب تقریباً آٹھ سال تک شعبہ اردو میں رہے۔ اس دوران شعبہ میں علمی و ادبی فضا پیدا کرنے میں پوری کوششیں کرتے رہے۔ ۱۹۸۷ء میں جی۔ ایم۔ رام صاحب کی صدارت کے زمانے میں U.G.C. گرانٹ کے تحت ایک نئی عمارت کا قیام عمل میں آیا۔ اس نئی عمارت میں علم حیاتیات کا شعبہ قائم کیا گیا۔ اس وقت اس عمارت میں بوٹنی، ریاضی اور فن اعداد و شمار کے شعبہ قائم ہیں ۱۹۹۲ء میں شفیق اشرفی صاحب بحیثیت استاد شعبہ میں آئے۔ فاطمی صاحب نے سیمینار کا سلسلہ شروع کیا وہ ان کے بعد ختم ہوگیا تھا۔ اشرفی صاحب نے دوبارہ سے یہاں پر سیمینار کا سلسلہ جاری کیا۔ انہوں نے اردو ادب کی بڑی بڑی شخصیات پر سیمینار کرائے جو کہ اس طرح ہیں ۱۹۹۳ء میں ''پریم چند فن و شخصیت''، ۱۹۹۴ء میں ''غالب فن و شخصیت''، ۱۹۹۶ء میں ''میر فن و شخصیت''، ۱۹۹۵ء میں ''آل احمد اکبر آبادی''، ۱۹۹۲ء میں ''میکش اکبر آبادی''، ۲۰۰۱ء میں پھر سے ''غالب فن و شخصیت'' پر سیمینار کے ساتھ ہی مشاعرے بھی ہوئے۔ سیمینار ہونے سے کالج میں ادبی فضا پیدا ہو رہی ہے۔

اشرفی صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اردو کے طالب علموں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر طالب علم اسی مقدار سے بڑھتے رہے تو جلد ہی کالج میں ایم۔ اے۔ کی کلاسیں شروع ہو جائیں گی۔ اور وہ دن دور نہیں کہ کالج میں

ریسرچ بھی کی جانے لگے گی۔ موجودہ دور میں آگرہ میں بھی اردو پڑھنے والوں کا حلقہ بڑھ رہا ہے۔ اسکولوں میں ابتدائی تعلیم سے اردو پڑھائی جارہی ہیں ''بزم اقبال'' آج بھی زندہ ہے اور اردو ادب کی ترقی کے لئے کام کررہی ہے۔

کالج کی تاریخ میں اردو ایسوسی ایشن کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے ۱۹۸۱ء میں جب کالج میں اردو کا شعبہ دوبارہ قائم کیا گیا تو اسی سال ''اردو ایسوسی ایشن'' نے جنم لیا۔ اردو کا شعبہ اور ''اردو ایسوسی ایشن'' قائم کرنے میں ڈاکٹر معظم علی شاہ صاحب اور کالج کے پرنسپل جناب رام صاحب کا بڑا دخل رہا۔ جناب رام صاحب کے بارے میں ۱۹۸۱ء میں اردو ایسوسی ایشن کی سالانہ رپورٹ میں کہا گیا ہے۔

> ''بھلا ہو ہمارے پرنسپل جناب رام صاحب کی، ہر دلعزیز شخصیت اور اردو نوازی کا کہ جب سے انہوں نے اس کالج کی باگ وڈور سنبھالی اردو کے بغیر اپنے کالج کو ادھورا محسوس کیا اور اپنی لازوال کوششوں سے اس کی داغ بیل ڈال کر ڈاکٹر فاطمی جیسے فعال اور سوجھ بوجھ رکھنے والے نوجوان استاد کو دعوت درس وتدریس دی'' (۱)

اس وقت کالج میں ۱۶ شعبے ہیں جن میں ایم۔اے۔ کے ساتھ ساتھ تحقیق کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ صرف اردو اور سنسکرت کی بی۔اے۔ درجے تک ہی تعلیم دی جاتی ہے۔ کالج میں تین بڑے ہاسٹل طالب علموں کے لئے ہیں جن کے نام Haileybry House, Bishop French Hostel اور Liyod Hostel اور ایک ہاسٹل طالبات کے لئے ہے جو کہ Daviec ہاسٹل کے نام سے جانا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں ۳۵۳۹ طالب علم تعلیم حاصل کررہے ہیں اردو شعبہ میں بی۔اے۔ سال اول میں ۴۰، بی۔اے۔ سال دوم میں ۲۳ اور بی۔اے۔ سال آخر میں ۲۷ طالب علم تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ کالج کی صورت حال کے بارے میں ۱۹۷۰ء میں پرنسپل پی۔ٹی۔ چانڈی نے کہا ہے

---

(۱) تشفق اردو ایسوسی ایشن کی سالانہ رپورٹ ۱۹۸۱ء ص ۱۱

"Through out its existence the college has been a pioneer in many fields of education in Uttar Pradesh. It was the first affiliated college to startCommerce, Hindi, Geography and Experimental Psychology Department. It was the first to introduce non-Communal hostels. It was also the first co-educational institution and the first to attempt social service work in an organised manner."

یہ سینٹ جانس کالج کی مختصر تاریخ ہے اس کالج نے ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کو ترقی دینے میں کافی اہم رول ادا کیا ہے اور امید ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی اسی طرح یہ کالج ترقی کی منازل طے کرتا رہے گا۔

(1) ST. John's College Magazine 1970-1971 Page II)

باب دوم

آگرہ کی ادبی سرگرمیوں میں

سینٹ جانس کالج

کا حصہ

آگرہ کی ادبی سرگرمیوں میں سینٹ جانس کالج کا حصہ

ہندوستان کے علمی وادبی حلقوں میں آگرہ کی اہمیت کونظر انداز نہیں کیا جاسکتا زمانہ قدیم سے ہی اکبرآباد نے اردو کی گرانقدر خدمت انجام دی ہیں۔ ۱۵۵۵ء میں جب اکبر اعظم تخت نشین ہوئے تو آگرہ کو انہوں نے اپنا دارالسلطنت بنایا اور اسے اکبرآباد نام دیا۔ میر امن دہلوی بھی اردو کی ابتداء کے سلسلے میں آگرہ کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ باغ وبہار میں لکھتے ہیں۔

''جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی وفیض رسانی اس خاندان لاثانی کو سن کر حضور میں آکر جمع ہوئی۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدا جدا تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال وجواب کرنے کے لئے ایک زبان اردو مقرر ہوئی'' (۱)

''شعرالہند'' میں مولانا عبدالسلام ندوی اردو کی ابتداء کے سلسلہ میں آگرہ کی اہمیت قبول کرتے ہیں۔ اکبر کے بعد عہد جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے میں بھی آگرہ دارالسلطنت رہا۔ عہد اکبری اور عہد شاہ جہاں کی حکومت کے درمیان زبان اردو اپنے سفر کی منازل طے کرتی رہی۔ آگرہ کی اہمیت صرف اس لئے ہی نہیں ہے کہ اس نے اردو کی تخلیق وتشکیل میں حصہ لیا بلکہ ہر دور میں اس شہر نے اردو ادب کو ایسے مشاہیر دیئے کہ اردو ادب ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ بادشاہ شاہ جہاں کے ۱۶۴۸ء میں آگرہ سے دہلی چلے جانے سے دہلی حکومت کا مرکز بنی۔ سلطنت کے انتقال نے آگرہ کو اس کے حقوق سے محروم کردیا شاہ جہاں کے دور میں آگرہ اجڑ گیا اور ایک گوشہ ہوکر رہ گیا اور آگرہ والے گوشہ گیر۔ لیکن اردو ادب میں چمکنے والے ستارے آگرہ کی خاک کے ذرّے ہی تھے۔ خان آرزوؔ، شاہ مبارک آبروؔ، شرف الدین مضمونؔ، مرزا مظہر جانجاناں، شیخ ولی محمد نظیرؔ، رجب علی بیگ سرورؔ، مرزا رئیس واصفؔ، سیمابؔ اکبرآبادی، صباؔ اکبرآبادی، ہوشؔ اکبرآبادی۔ میکشؔ اکبرآبادی، مغیث الدین فریدیؔ کے علاوہ اردو کے دو بڑے شاعر

(۱) باغ وبہار، مرتب رشید حسن خاں، دہلی ۱۹۶۶ء

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ اور میر تقی میرؔ بھی اسی سرزمین سے پیدا ہوئے۔ ۱۷۹۷ء میں مرزا غالب کی ولادت آگرہ میں ہوئی۔ ابھی پانچ برس کے تھے کہ آپ کے والد جنگ میں شہید ہوگئے۔ اس کے بعد چچا نے ان کی پرورش کی اور جلد ہی چچا بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ آگرہ ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ ''نورالحسن نقوی، دیوان غالب'' میں رقم طراز ہیں۔

> ''تعلیم کا سلسلہ آگرہ ہی میں جاری رہا۔ شیخ معظم کی شاگردی اختیار کی اور ان سے فارسی، عربی سیکھی۔ فارسی زبان وادب کی طرف خاص رجحان تھا۔ شعر گوئی سے فطری مناسبت تھی گیارہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے'' (۱)

غالبؔ آگے چل کر اردو کے بہت بڑے شاعر تسلیم کئے گئے۔ اردو ادب کے ایک اور بڑے شاعر میر تقی میرؔ آگرہ کے ایک شریف خاندان کے چراغ تھے۔ میرؔ اردو شاعری کے وہ عظیم غزل گو شاعر ہیں جن کو حیات جاوید حاصل ہے ان کے والد کا انتقال ان کے بچپن ہی میں ہوگیا تھا والد کے بعد سوتیلے بھائیوں نے انہیں بہت تکلیفیں دی اس وجہ سے انہیں آگرہ چھوڑنا پڑا۔ جب تک اردو غزل زندہ ہے میر بھی زندہ رہیں گے۔

قدیم اردو شعراء میں نظیرؔ اکبرآبادی کی حیثیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نظیرؔ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کا موضوع عوام اور عوامی زندگی بنایا۔ یوں تو نظیرؔ اکبرآبادی کی پیدائش دہلی میں قریب ۱۷۴۰ء میں ہوئی مگر ان کی پوری زندگی آگرہ میں گزری۔ نظیرؔ نے آگرہ کی تہذیب کو اپنی شاعری میں پیش کیا آگرہ کی ہر شے ان کو عزیز تھی۔ آگرہ کے میلے تیوہار کھیل تماشے یہاں تک کہ نظیر کو آگرہ کے ذرے ذرے سے محبت تھی۔ خود کہتے ہیں۔

عاشق کہو، اسیر کہو، آگرے کا ہے
ملاّ کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے
مفلس کہو، فقیر کہو، آگرے کا ہے
شاعر کہو، نظیرؔ کہو، آگرے کا ہے

(۱) دیوان غالبؔ مرتب نورالحسن نقوی ۱۹۹۹ ص ۱۸

نظیر کی پوری شاعری میں آگرہ کی زندگی جھلکتی ہے۔ پوری زندگی لڑکوں کو پڑھا کر گذاری مگر آگرہ سے جانا گوارا نہیں کیا ایک طرف نظیر نے آگرہ کے میلے، کھیل تماشے آگرہ کی گلیاں آگرہ کے لوگوں پر نظمیں لکھی وہیں دوسری طرف وہ آگرہ کے بگڑتے حالات سے بھی ناواقف نہیں تھے آگرہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اب آگرے میں جتنے لوگ ہیں، سب لوگ ہیں تباہ
آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے، برے وقت سے پناہ
وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ

نظیر نے بنے بنائے راستہ پر نہ چل کر خود اپنا راستہ اختیار کیا۔ یہی وجہ رہی کہ ان کو کوئی اہمیت ان کے دور میں نہیں دی گئی لیکن موجودہ دور میں نظیر کی شاعری سے لوگ متأثر ہوئے ہیں اور نظیر کے کلام پر بھی توجہ دی جانے لگی ہے۔

آگرہ میں ایک بار پھر ۱۹۰۰ء کے بعد اردو کی ترقی پر خاص توجہ دی گئی۔ ۱۹۱۱ء میں چند طالب علموں نے سینٹ جانس کالج میں ایک انجمن قائم کی۔ یہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی تھی۔ قریب ۱۹۲۵ء کے دوران آگرہ میں ادبی ماحول عروف پر تھا جب ۱۹۲۹ء میں فانی بدایونی آگرہ تشریف لائے اس وقت ان کے آنے سے آگرہ میں شعر و شاعری کی محفلیں شباب پر پہنچ گئی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر علی احمد فاطمی صاحب لکھتے ہیں۔

''جن دنوں فانی بدایونی نے آگرہ میں قدم رکھا آگرہ، آگرہ نہ تھا بلکہ اکبرآباد تھا۔ جس کی بھرپور نمائندگی سیماب اکبرآبادی کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ جو لوگ تھے ان میں مخمور اکبر آبادی، ل۔ احمد اکبرآبادی، نجم آفندی، دلگیر اکبرآبادی، اخضر اکبرآبادی اور نئے شاعروں میں رعنا، صبا، اور میکش اہم تھے۔ فانی صحبت پسند انسان تھے۔ محفلوں پر جان دیتے تھے'' (۱)

(۱) سینٹ جانس کالج میگزین کا اردو حصہ، شفق، ۱۹۸۱ء، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، ''آگرہ اور فانی'' ص ۱۰

ان دنوں آگرہ میں طرحی مشاعروں کا رواج تھا لیکن فانیؔ طرحی مشاعروں میں بھی طرحی غزلیں نہیں پڑھتے تھے۔ فانیؔ جس وقت آگرہ پہنچے ان کی عمر کی انچاسویں بہار دم توڑ رہی تھی اور اردو ادب کے دو ترقی پسند شاعر مجازؔ اور جذبیؔ اپنے تعلیمی دور میں تھے۔ وہ دونوں سینٹ جانس کالج میں ایف۔ ایس۔ سی۔ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ میکشؔ صاحب اکثر کالج میں آتے تھے ان دونوں کی ملاقات میکشؔ صاحب سے ہوئی اور پھر فانیؔ بدایونی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ دونوں اکثر میکش صاحب کے مکان پر جایا کرتے تھے جو کہ میوہ کٹرا میں بنا ہوا ہے۔ وہاں پر شعر و شاعری کی محفلیں جمتی تھی۔ ان محفلوں میں سینٹ جانس کالج کے طالب علم بھی شرکت کرتے تھے۔ اس دور کے بارے میں جناب مغیث الدین صاحب کے چھوٹے بھائی جناب معین فریدیؔ فرماتے ہیں۔

''وہ دور اخترؔ، سیمابؔ اور فانیؔ کا دور تھا۔ ادبی ہنگامہ آرائیاں عروج پر تھی۔ خود میکشؔ صاحب کے دولت کدہ پر ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ جوشؔ، جگرؔ، فانیؔ، مانیؔ، فراقؔ اکثر ان صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ جوشؔ، جگرؔ، فراقؔ کا قیام اکثر آپ ہی کے دولت کدہ پر ہوتا تھا۔ مجازؔ، جذبیؔ تاباںؔ کا طالب علمی کا زمانہ تھا اور یہ لوگ اپنا زیادہ وقت میکشؔ صاحب کے یہاں ہی گذارتے تھے۔''(۱)

اسی دوران فانیؔ نے ۱۹۳۰ء میں تسنیم نام کا رسالہ شائع کیا۔ جس میں حامد حسن قادری کے مضمون بھی شائع ہوتے رہتے تھے اس رسالے کے بارے میں علی احمد فاطمی صاحب لکھتے ہیں۔

''دسمبر ۱۹۳۰ء سے ستمبر ۱۹۳۱ء تک تسنیم پوری پابندی کے ساتھ فانی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا اس کے بعد دسمبر ۱۹۳۱ء میں اکتوبر اور دسمبر کا مشترکہ شمارہ منظر عام پر آیا تو فانیؔ اس کی ادارت سے الگ ہو گئے۔''(۲)

---

(۱) اردو کالج میگزین آگرہ ۱۹۷۶ء ص ۴۰
(۲) شفق ۱۹۸۱ء ص ۱۴

فانی قریب ۶ سال آگرہ میں رہے اس عرصہ میں کالج کے استاد اور طالب علم دونوں ہی ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ آگرہ کی ادبی سرگرمیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں کئی اہم رسالے منظر عام پر آئے اس دور کی اہمیت ڈاکٹر مغیث الدین فریدی نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔

''آگرہ کے ادبی رسالوں میں نقاد، شاعر، تسنیم قبول عام کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ مکتبہ عصر الادب سے سیماب اکبرآبادی کے شعری مجموعہ ''کارامروز'' اور ''کلیم'' شائع ہوئے۔ جوش ملیح آبادی کے مجموعہ ''نقش ونگار'' کی تدوین آگرہ میں ہی ہوئی اس کا دیباچہ ل۔ احمد اکبرآبادی نے لکھا۔ مخمور اکبرآبادی نے ''روحِ نظیر'' لکھی۔ حامد حسن قادری کی ''تاریخ وتنقید'' ادبیات اردو ''یادگار انیس'' ''کمالِ داغ'' اور ''داستان تاریخ اردو'' منظر عام پر آئی۔ محمد طاہر فاروقی کی ''سیرت اقبال'' شائع ہوئی۔ ل۔ احمد اکبرآبادی کی ''لالہ رخ'' اور انشائے لطیف'' اسی زمانے میں شائع ہوئیں۔ سیماب لٹریری سوسائٹی، انجمن شباب اردو، انجمن ترقی اردو سینٹ جانس کالج، بزمِ اردو آگرہ کالج اور بزم اقبال آگرہ کی سرگرمیاں ایک الگ مضمون چاہتی ہیں۔ ان ادبی انجمنوں نے اردو زبان وادب کے فروغ میں جو حصہ لیا ہے اس کو اردو کی تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔''(۱)

اس اقتباس سے آگرہ کی ادبی سرگرمیوں کے بارے میں بہت روشنی پڑتی ہے۔ اس دور کے ادبی رسائل کے علاوہ اس زمانے کے مشہور ادباء وشعراء کی تصانیف پر بھی روشنی پڑتی ہے حامد حسن قادری کی تصانیف ''داستان تاریخ اردو''، ''تاریخ وتنقید''، ''ادبیات اردو''، ''یادگار انیس''، ''کمال داغ'' سینٹ جانس کالج کے قیام کے دوران ہی لکھی جا چکی تھی۔ اس اقتباس سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس زمانے میں سیماب لٹریری سوسائٹی، انجمن شباب اردو، انجمن ترقی اردو سینٹ جانس کالج، بزم اردو آگرہ کالج اور بزم اقبال آگرہ جیسی انجمنیں قائم تھیں اور اردو ادب کی

(۱) میکش اکبرآبادی ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۸

خدمات شاندار طریقہ سے انجام دے رہی تھیں۔

سینٹ جانس کالج کے طالب علم میکش صاحب اور فانی بدایونی کے گھر بھی جاتے تھے۔ فانی آگرہ میں قریب چھ سال رہے اس دوران مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے آگرہ میں کئی مکان بدلے۔

قریب ۱۹۳۰ء کے دوران ''نگار'' نام کا رسالہ آگرہ سے شائع ہوا اس رسالے میں کالج کے استاد مولانا حامد حسن قادری کے مضمون بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ ''نگار'' نیاز فتح پوری کی صدارت میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۹۳۰ء جنوری میں قادری صاحب کا مضمون ''ٹیگور'' شائع ہوا جس میں ٹیگور کی شخصیت سے لے کر ان کی زندگی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ آگرہ سے کئی سال ''نگار'' شائع ہوا۔ اس کی تین سال کی جلدیں جامعہ کی لائبریری میں موجود ہیں۔ بعد میں ''نگار'' لکھنؤ سے شائع ہونے لگا۔

اردو زبان کی ترقی کے لئے ''بزم اقبال آگرہ'' کا قیام ۱۹۳۸ء میں عمل میں آیا۔ اس کے سکریٹری مولانا محمد طاہر فاروقی تھے جو کہ سینٹ جانس میں استاد بھی رہ چکے تھے اور بعد میں آگرہ کالج میں اردو کے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے ''بزم اقبال'' کے قائم ہونے کے بعد اردو کو عام فہم بنانے کے لئے اردو طالب علموں میں اس کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ''جامعہ اردو آگرہ'' کی بنیاد ڈالی گئی۔ جامعہ اردو کی بنیاد کے سلسلے میں عزیز اکبر آبادی ''اردو کالج میگزین'' میں لکھتے ہیں۔

> ''۲۲ مئی ۱۹۳۸ء کو اس کا دستور العمل ترتیب دیا گیا۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ''بزم اقبال آگرہ'' نے طے کیا کہ زبان وادب کی خدمات کے لئے اردو کے امتحانات کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ لہذا جامعہ اردو آگرہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس کے امتحانات کے نام ومعیار اور نصاب مقرر کیا گیا۔ قواعد وضوابط ترتیب دیئے گئے۔''(۱)

---

(۱) اردو کالج میگزین آگرہ ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۹

اس اقتباس سے جامعہ اردو آگرہ کی بنیاد کے سلسلے میں کافی روشنی پڑتی ہے۔ جو جامعہ اردو کالج آج علی گڑھ میں قائم ہے اس کی بنیاد آگرہ ہی میں پڑی تھی اس بات کی تصدیق اجمل علی شاہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہتے ہیں ''جامعہ اردو علی گڑھ جو کہ اب علی گڑھ میں ہے اس کی بنیاد آگرہ ہی میں ڈالی گئی تھی'' اجمل علی شاہ نے یہ بھی بتایا کہ جامعہ اردو کالج کی کوئی اپنی عمارت نہ ہونے کی وجہ سے کلاسیں ان کے گھر میں بھی لگتی تھیں۔ میں نے وہ جگہ بھی دیکھی ہے جہاں پر طالب علموں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی جامعہ بعد میں اردو علی گڑھ منتقل کر دیا گیا لیکن اس کے امتحانات کا ایک سنٹر آگرہ میں بھی تھا۔ اس سنٹر کی نگرانی مغیث الدین فریدی صاحب نے کافی عرصے تک کی ۱۹۹۴ء کے ایک انٹرویو میں خود کہتے ہیں۔

> ''سینٹ جانس کالج میں تقرر ہونے کے بعد جامعہ اردو کے امتحانات کے آگرہ سنٹر کا اہتمام ۱۹۶۱ء تک میری ہی نگرانی میں ہوتا تھا۔ بزم اقبال آگرہ کے رکن کی حیثیت سے جامعہ اردو کی مجلس عام میں بزم اقبال آگرہ کی نمائندگی اب تک کر رہا ہوں۔''(۱)

''بزمِ اقبال'' کی کرسئ صدارت پر فائز رہنے والی شخصیات کے نام اس طرح ہیں۔ خان بہادر، اختر عادل۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک، خان بہادر علی عباسی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک، پروفیسر حامد حسن قادری ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۲ء تک، حضرت میکش اکبرآبادی ۱۹۵۳ء تک اور اس کے بعد میکش اکبرآبادی صدر رہے سینٹ جانس کالج کے مولانا حامد حسن قادری بھی اس ''بزم اقبال'' میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور ''بزم اقبال'' کے سکریٹری ڈاکٹر معظم علی شاہ تھے جو کہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک سکریٹری کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ سید معظم شاہ بھی سینٹ جانس کالج میں استاد تھے۔

''بزم اقبال'' آگرہ کے تحت ۱۹۶۸ء میں اردو کالج آگرہ کی بنیاد ڈالی گئی اس کالج میں جامعہ اردو علیگڑھ کے مروّجہ نصاب کے علاوہ نو آموز اور ایسے لوگوں کے لئے جن کی مادری زبان اردو نہیں تھی ان کو بھی اردو کی تعلیم دی جاتی

(۱) کتاب نما کا خصوصی شمارہ ۱۹۸۸ء ص ۱۸

تھی۔اس کالج کا باقاعدہ دستور العمل تھا۔اس کے صدر حضرت میکشؔ اکبرآبادی، ناظم اعلیٰ جناب عارف الٰہی، ناظم معین فریدی اور کالج کی مجلسِ منتظمہ میں سینٹ جانس کالج کے استاد سید معظم علی شاہ بھی شامل تھے۔اردو کالج میں جولائی سے لے کر مئی کے مہینے تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔اس کالج میں ''قابلیت''، ''اعلیٰ قابلیت''، ''ابتدائی''، ''ادیب''، ''ادیب ماہر''، ''ادیب کامل''، ''بی۔اے۔اول ودوم''، ''ایم۔اے۔اول ودوم'' کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۹۷۱ء تک یہ کالج ادیب کامل کی ہی تعلیم دیتا تھا۔۱۹۷۲ء کے بعد بی۔اے۔کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔جب تک ڈاکٹر مغیث الدین سینٹ جانس میں رہے اس دوران وہ ''بزم اقبال'' اور جامعہ اردو آگرہ سے وابستہ رہے۔جامعہ اردو سے وابستہ ہونے کا خود ذکر کرتے ہیں۔

> ''شاید اس امر کی طرف اشارہ نامناسب نہ ہو کہ میری جامعہ اردو ادارہ سے وابستگی ۱۹۴۳ء سے ہے۔بزم اقبال آگرہ کے نائب معتمد کی حیثیت سے محمد طاہر فاروقی صاحب رجسٹرار اور بانی جامعہ اردو کے کاموں میں ۱۹۴۶ء تک حصہ لیتا رہا ہوں۔۱۹۴۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا لیکن جامعہ سے دلچسپی برقرار رہی۔۱۹۴۸ء میں جب محمد طاہر فاروقی صاحب آگرہ کی ملازمت ترک کر کے پاکستان جانے لگے اور جامعہ اردو کو علی گڑھ منتقل کیا گیا تو جامعہ اردو کے دفتر کے سامان کو آگرہ سے علی گڑھ پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔''(۱)

اس کے بعد سید معظم علی شاہ نے اردو کالج آگرہ کو کامیاب بنانے کی اپنی پوری کوششیں کی۔اس کالج کی اپنی کوئی عمارت نہ ہونے کی وجہ سے ایم اے کے طالب علموں کو شاہ صاحب اپنے مکان ہی میں پڑھاتے تھے۔اس کالج میں پڑھنے والے طالب علموں نے امتحان میں کامیابی حاصل کی کالج جس سال شروع ہوا کل ۶۰ طالب علموں نے تعلیم حاصل کی اردو کالج آگرہ کی اپنی لائبریری بھی تھی۔اس کے کالج کے ڈائرکٹر معین فریدیؔ تھے۔

---

(۱) کتاب نما کا خصوصی شمارہ، مغیث الدین فریدی، ۱۹۹۴ء ص ۱۱

۱۹۷۶ء میں اردو کالج کی اپنی میگزین شائع ہوئی اس میگزین میں آل احمد سرور جو کہ سینٹ جانس کالج کے طالب علم رہے ہیں انہوں نے حامد حسن قادری پر اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی کی نظم بھی شائع ہوئی فریدی صاحب جو کہ اردو، فارسی شعبہ میں کافی عرصہ تک رہے۔ ایم۔اے شاہ صاحب نے نیاز فتح پوری پر ایک مضمون لکھا جس میں نیاز صاحب کے اصلاح سخن پر اعتراضات کئے۔ خالد حسن قادری صاحب خاصا عرصہ سینٹ جانس کالج میں استاد رہے ان کے مضمون بھی شائع ہوئے تھے۔ ہوشؔ اکبرآبادی بھی سینٹ جانس کالج کے طالب علم رہے اس میگزین میں ہوشؔ اکبرآبادی کی غزلیات بھی شائع ہوئی ہیں۔

''بزم اقبال'' نے اردو کی نشر و اشاعت کو فروغ دینے کے لئے طباعت و اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا اور مشاہیر ادب کی کتابوں کو شائع کیا اور ''بزم اقبال آگرہ'' نے مشہور شعر و ادب پر بھی کتابیں شائع کی۔۔ ۱۹۸۸ء میں میکشؔ صاحب اکبرآبادی پر ایک کتاب شائع کی گئی۔ سینٹ جانس کالج کے اساتذہ نے ہی نہیں طالب علموں نے بھی بزم اقبال، جامعہ اردو آگرہ ''اردو کالج آگرہ'' کی ادبی خدمات میں حصہ لیا۔

TH-9698

جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا کہ آگرہ میں سیماب لٹریری سوسائٹی، انجمن شباب اردو، بزم اردو، بزم اقبال جیسی انجمنیں قائم تھیں اور ان میں اکثر مشاعرے ہوا کرتے اور سینٹ جانس کالج کے طالب علم اور اساتذہ ان میں حصہ لیتے وہیں کچھ اور بھی انجمنیں پنپ رہی تھیں۔ شعر و شاعری کا شوق اتنا تھا کہ اسکول کے بچے بھی گلیوں میں انجمنیں قائم کر لیتے تھے اسی طرح کی ایک انجمن ''مسلم برادری'' کے نام سے قائم تھی اور یہ انجمن اکثر مشاعروں کا اہتمام کیا کرتی تھی ان مشاعروں میں سینٹ جانس کالج کے پروفیسر حامد حسن قادری بھی شرکت کیا کرتے تھے اس انجمن کے بارے میں حامد حسن قادری کہتے ہیں۔

''آگرہ کے مختلف اسکولوں کے بچوں نے محلّہ قاضی گلی میں ایک انجمن ''مسلم برادری'' کے

Jawaharlal Nehru University Library

نام سے قائم کی ہے۔ اس کا انعامی مشاعرہ ۸ جنوری ۱۹۳۹ء کو منعقد ہوا۔ چھوٹے لڑکے شاعر تھے اور بڑے لڑکے انعام کا فیصلہ کرنے والے۔ میں بھی اس مشاعرے میں شریک تھا۔ عجیب لطف کی بات یہ تھی کہ جس بچے نے اچھی طرح غزل گادی اس کو انعام مل گیا۔ جس کی غزل اچھی تھی، لیکن خوش گلو نہ تھا وہ انعام سے محروم رہا۔'' (۱)

اس مشاعرے سے اس زمانے کے اسکولوں کے بارے میں بھی علم ہوتا ہے۔ مفید عام ہائی اسکول، شعیب محمدیہ ہائی اسکول، وکٹوریہ ہائی اسکول، احمدیہ ہائی اسکول، جیسے اسکول قائم تھے اور ان کے طالب علم اردو ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ اس مشاعرے میں جناب خالد حسن قادری جو کہ آگے چل کر سینٹ جانس کالج کے فارسی کے استاد رہے انہوں نے بھی حصہ لیا وہ وکٹوریہ ہائی اسکول میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے جو غزل پڑھی اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

صورت پرست، کیا تجھے سودائی خام ہے
یہ اصل میں نقاب ہے، جلدی کا نام ہے
ان کی نگاہ قہر کا ہے اور کیا جواب
میرا سکوت میری وفا کا کلام ہے
نشتر نہیں کسی کا یہ دل میں چبھا ہوا
دل کی زبان شوق کا اک یہ بھی نام ہے
خالدؔ یہ خلق کو ہے ''پیام برادری''
تعلیم کا پیام خدا پیام ہے
(۲)

---

(۱) شفق ۱۹۳۹ء ص ۱۷

(۲) شفق ۱۹۳۹ء ص ۲۰

خلاصہ یہ کہ مولانا حامد حسن قادری اس زمانے کے بڑے شعرا سیمابؔ، فانیؔ، میکشؔ اکبرآبادی، ل۔احمد اکبر آبادی کی محفلوں میں ہی شامل نہیں ہوتے تھے بلکہ اسکولوں کے بچوں کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے۔انہوں نے اس مشاعرے میں پڑھی گئی غزلیات کو بھی ''شفق'' میں شائع کیا جس سے ان بچوں کا حوصلہ تو بڑھا ہی دوسرے یہ کہ قادری صاحب نے ان کی غزلوں کو بھی محفوظ کر دیا۔

آگرہ کی تاریخ میں ۳،۴اور ۵/اپریل ۱۹۶۹ء کی تاریخیں ایک یادگار حیثیت کی مالک ہیں۔یہ وہ تاریخیں ہیں جب آگرہ یونیورسٹی میں مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کی صد سالہ یادگار بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منائی گئی۔جس میں مہمانان خصوصی کی حیثیت سے خواجہ احمد فاروقی صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، مس بوسرٹ، پروفیسر شعبہ فلاسفی ہالینڈ، میکشؔ اکبرآبادی، جناب مغیث الدین فریدیؔ اور سید معظم علی شاہ پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ نے شرکت کی اور شاہ صاحب نے ایک مضمون بھی پڑھا۔اس پروگرام میں غلام ربانی تاباںؔ نے بھی شرکت کی۔اس پروگرام میں ۳/اپریل کو مقالات پڑھے گئے۔۴/اپریل کو شعر ونغمہ کی محفل منعقد ہوئی اور ۵/اپریل کو آل انڈیا مشاعرہ ہوا۔

موجودہ دور میں سینٹ جانس کالج کے طالب علم اور استاد دونوں ہی آگرہ میں ہونے والے مشاعروں اور جلسوں میں حصہ لیتے ہیں۔مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آگرہ میں ہونے والی ادبی سرگرمیوں میں سینٹ جانس کالج نے ہمیشہ حصہ لیا۔آگرہ کے جلسوں میں مقامی مشاعرے، اسکولوں کے مشاعرے، ادبی محفلیں، بزم اقبال، اردو کالج آگرہ، جامعہ اردو آگرہ سبھی میں سینٹ جانس کالج کے اساتذہ اور طلباء حصہ لیتے رہے اور اس لئے آج جب کسی ادبی جلسے یا مشاعرے کی بات آتی ہے تو سینٹ جانس کالج کا نام سب سے پہلے منظر عام پر آتا ہے۔جہاں ایک طرف کالج نے آگرہ کی تقریباً ہر ادبی شخصیات پر سیمینار کئے وہیں دوسری طرف آگرہ کی ادبی سرگرمیوں میں کالج کی شخصیات نے خاصا اہم رول ادا کیا۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آگرہ میں ہونے والی سرگرمیوں میں سینٹ جانس کالج مسلسل حصہ لیتا رہا۔

باب سوم

سینٹ جانس کالج
سے وابستہ
ادیب و شعرا

سینٹ جانس کالج سے وابستہ ادیب وشعراء

کالج کی دنیا ایک ایسی دنیا ہے جس سے کچھ خاص قسم کے مقاصد وابستہ ہوتے ہیں اور حقیقتاً یہ دنیا انہیں مقاصد کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آتی ہیں۔ ایک حکومت اپنے ملک میں کالج کی بنیاد اس لئے ہی ڈالتی ہے کہ وہاں رہ کر ملک کے ہونہار اعلیٰ تعلیم اختیار کر کے کامیاب بن سکے اور والدین اپنے جاں نشینوں کو اس لئے یہاں پڑھنے بھیجتے ہیں کہ وہ تعلیم کہ اصولوں کو اپنی زندگی میں عملی جامہ پہنا کر زندگی میں ترقی کے منازل طے کر سکے۔ سینٹ جانس کالج نے حکومت اور والدین دونوں کو ہی نا امید نہیں کیا۔ جہاں ایک طرف مولانا حامد حسن قادری، مغیث الدین فریدی، مولانا طاہر صاحب فاروقی، اور معظم علی شاہ، علی احمد فاطمی جیسے اساتذہ نے طالب علموں کو اپنے وسیع مطالعہ سے فیض پہنچایا اور انہیں اپنی محبت وشفقت سے ایک کامیاب انسان بننے میں مدد کی تو دوسری طرف اس کالج کے طالب علموں میں خورشید عالم خاں، اسلام اللہ خاں، محترم بی۔ پی۔ سنگھ، پروفیسر ظہیر ملک، ڈاکٹر اے۔ پی۔ ماتھر، بابو رام چند گپتا، برج راج سنگھ خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر شنکر دیال شرما بھی اس کالج کے طالب علم رہے اور بعد میں جمہوریہ ہند کے صدر بنے۔ دوسری طرف اردو ادب کو بھی باکمال و بے مثال شاعر اور ادیب دیئے جنہوں نے اردو ادب کے بیش بہا خدمت انجام دی، اسرار الحق مجاز، معین حسن جذبی، مغیث الدین فریدی، غلام ربانی تاباں، آل احمد سرور جیسے شاعر، نثر نگار اور نقاد دیئے۔ سینٹ جانس کالج کے متعلق پروفیسر شمیم حنفی صاحب لکھتے ہیں۔

> ''ایک زمانے میں سینٹ جانس کالج ملک بھر میں جانا جاتا تھا۔ مشاہیر کی ایک پوری بارات اس کالج سے نکلی اور مختلف شہروں اور قصبوں میں جا بسی۔'' (۱)

یوں تو اس کالج سے بڑی بڑی ہستیاں وابستہ رہیں لیکن مجھے صرف اردو ادب کے دائرے میں رہ کر ہی بات کرنی ہے اس لئے مجھے اردو کے شعبہ سے متعلق ان ادیب اور شعراء پر روشنی ڈالنی ہے جو اس کالج میں رہے اور

---

(۱) میکش اکبر آبادی ۱۹۸۸ء ص ۷۶

انہوں نے کالج میں ہی نہیں کالج کی دنیا سے باہر نکل کر بھی وہی شہرت اور مقبولیت حاصل کی جو کہ کالج میں رہ کر کی۔ کچھ سیکھنے سیکھانے کی جب بات ہے تو شاگرد اور استاد میں استاد کا مرتبہ ہی ہمیشہ بلند رہا اور رہے گا۔ اس لئے کالج کے اساتذہ کے کارناموں پر روشنی ڈالنا بہتر رہے گا۔

مولانا حامد حسن قادری صاحب

مولانا حامد حسن قادری کا نام ہندوستان کے علمی و ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ۱۹۲۷ء میں جب کالج میں اردو کا شعبہ قائم کیا گیا تو ایک نئے استاد کی ضرورت پیش آئی۔ اس کام کے لئے قادری صاحب کا انتخاب کیا گیا۔ نیا شعبہ اور نئے طالب علم دونوں کو کامیاب بنانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ لیکن قادری صاحب نے اس کام کو بخوبی انجام دیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جب پہلی بار اردو پڑھائی گئی اس سال کالج میں صرف دو طالب علم تھے ''رضی الحسن صاحب چشتی'' اور ''مسرت حسین زبیری''۔ یہ دونوں طالب علم بورڈ میں فرسٹ آئے اور بی۔ اے۔ میں بھی اول مقام حاصل کیا۔ اس کے بعد چشتی صاحب نے انگریزی میں ایم۔ اے۔ کر کے P.C.S. کا امتحان پاس کیا اور زبیری صاحب آئی۔ ایس۔ ہو کر گورمنٹ آف انڈیا میں بڑے عہدے پر فائز ہوئے۔ قادری صاحب میں ایک اعلیٰ استاد ہونے کی ساری خوبیاں موجود تھی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی قادری صاحب کے متعلق نقوش میں لکھتے ہیں۔

> ''یہ داستان میں نے اس لئے بیان کی کہ قادری صاحب اول و آخر استاد ہیں۔ وہ باتیں اس طرح کرتے ہیں جیسے پڑھا رہے ہیں ہر لفظ کو کھینچ کر زور دے کر ادا کرتے ہیں۔ کلاس میں گھنٹہ بجتے ہی داخل ہوتے ہیں اور گھنٹہ ختم ہوتے ہی کتاب کو آواز کے ساتھ بند کر دیتے ہیں۔ اس ۴۵ یا ۵۰ منٹ میں وہ ایسے منہمک رہتے ہیں کہ ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہے کہ

کون آیا اور کون گیا۔ پڑھانے میں لڑکے ہی نہیں خود بھی مزا لیتے ہیں۔''(۱)

قادری صاحب کبھی کسی شاگرد کو پڑھانے کے لئے انکار نہیں کرتے تھے طبیعت اچھی ہو یا نہیں، کام میں مشغول ہوں یا خالی۔ طالب علموں کو شفقت کے ساتھ پڑھاتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طالب علم کی نگاہ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔ سید معظم علی شاہ صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

''ہر طالب علم آپ سے محبت اور عزت سے پیش آتا ہے چاہے آپ کا شاگرد ہو یا نہ ہو۔ آپ کے پڑھانے کا طریقہ ایسا دلکش اور پر تاثیر ہوتا ہے کہ مضمون فوراً ذہن نشیں ہو جاتا ہے جتنا زیادہ دقیق اور پیچیدہ مضمون ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ دلچسپ اور اثر آپ کے لکچر میں ہوتا ہے کیسا ہی خشک مضمون ہو آپ کے پڑھانے کے بعد اس کی خشکی بالکل غائب ہو جاتی ہے اور طالب علموں کو اس میں ایسا ہی لطف آنے لگتا ہے جیسا کوئی ناول یا افسانہ پڑھ کر آتا ہے۔ پڑھانے کے معاملے میں اتنے ''بے عذر'' کہ وقت اور ناوقت چاہتے طالب علم چلے جاتے اور قادری صاحب اپنی خلقی خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتے بغیر کسی اظہار کشیدگی کے پڑھانا شروع کر دیتے۔''(۲)

قادری صاحب نہایت سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے انہیں زیادہ سے زیادہ وقت علمی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرنا پسند تھا۔ قادری صاحب کے مطالعہ کے متعلق سید معظم علی شاہ لکھتے ہیں۔

''قادری صاحب کا محبوب مشغلہ مطالعہ ہے کالج کے زمانے میں بھی معمولاً چھ سات گھنٹے روزانہ مطالعہ کرتے تھے اور اب تو صبح سے شام تک مطالعہ ہی مطالعہ ہے یا عبادت۔ اس کثرت مطالعہ کا نتیجہ آپ کی بے شمار تصانیف، ترجمے اور تالیف ہیں۔ مختلف رسائل میں

---

(۱) نقوش شخصیات نمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۷۵
(۲) شفق ۱۹۵۲ صفحہ ۱۳

آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں صالح اور بے لاگ تنقید
اگر دیکھنا ہو تو قادری صاحب کی تنقید میں دیکھئے۔''(۱)

مولانا کی تصانیف ،تاریخ وتنقید، داستان تاریخ اردو، ادبیات اردو، نقد ونظر، یادگار انیس، کمال داغ اسی دوران لکھی گئی جب قادری صاحب سینٹ جانس کالج میں استاد تھے۔ ان کی تصنیف داستان تاریخ اردو بہت مقبول وعام ہوئی۔ یہ کتاب معلومات کا خزانہ ہے۔ اس کتاب میں بڑی محنت وجاں فشانی سے کام لیا گیا ہے۔ قادری صاحب کو مطالعہ کے لئے کتابیں بھی بڑی جاں فشانی سے دستیاب ہوتی تھیں۔ جسکا ذکر ان کے خطوط میں بھی ملتا ہے ایک خط جو کہ انہوں نے حفیظ ہوشیار پوری کو کہتے ہیں۔

''آگرہ میں علمی وادبی سرگرمیوں کا اب سفر ہے۔ انتہا یہ کہ جو شعراء اچھے تھے وہ بھی ہجرت کر گئے۔ یہ عجب بات ہے کہ آگرہ میں اردو فارسی کی کتابوں کی کوئی بڑی دوکان کبھی ہوئی ہی نہیں چالیس سال سے تو میں دیکھ رہا رہوں پہلے بھی نہ تھی۔ اس زمانے میں ایک دکان درسیات کے سلسلے کی تھی اسکے ذریعہ سے ہم کالج کے لئے دوسری علمی کتابیں دہلی لکھنؤ، حیدرآباد وغیرہ سے منگا لیتے تھے اب وہ دکان بھی ختم ہوگئی۔ اس کے مالک حال میں ہی ہجرت کر گئے۔''(۲)

مواد کی اس قدر قلت کے باوجود قادری صاحب نے اتنی ادبی تصانیف اردو ادب کو دی کہ اردو میں خاص مرتبہ کی حامل ہیں۔ اس کے علاوہ حامد حسن قادری صاحب کے مختلف موضوعات پر مضمون مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کالج کے میگزین میں اردو کے ارتقاء کی منازل بیان کی ہیں۔ مولانا صاحب ''شفق'' کے صدر بھی رہے۔ قادری صاحب کے مضمون ''نگار''، ''تسنیم'' اور شاعر جیسے رسائل میں چھپتے رہتے تھے۔ قادری صاحب جب تک کالج

---

(۱) شفق ۱۹۵۲ ص ۱۲
(۲) نقوش لاہور، سالنامہ (مکتوب حامد حسن قادری) ۱۹۷۶ ص ۴۹۸

میں رہے شفق کی اشاعت میں اہم رول ادا کرتے رہے۔ قادری صاحب نے کانپور سے بچوں کا ایک اخبار ''سعید'' بھی نکالا تھا یہ رسالہ بہت مقبول عام ہوا تھا۔ کالج کے میگزین شفق میں خود مضامین لکھتے اور دوسروں کو لکھنے کی تلقین کرتے نتیجتاً کالج کے دوسرے اساتذہ ہی نہیں بلکہ طالب علم بھی مختلف موضوعات پر لکھنے لگے تھے۔

قادری صاحب نہایت ہی سنجیدہ قسم کے شخص تھے۔ خواجہ احمد فاروقی قادری صاحب کی وضع قطع کے متعلق نقوش میں لکھتے ہیں۔

> ''قادری صاحب کی وہ صورت اور وہ دل نواز تبسم اب تک میری آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ خوب گورا چٹا رنگ، معمولی ناک نقشہ، موٹی سی عینک لگائے ہوئے، سفید نورانی داڑھی، پستہ قد، دبلے پتلے، چھوٹی بوٹی کے چکن کی بہت صاف دھلی ہوئی شیروانی، پلے کی بیل دار سفید ٹوپی، جس کا کلف اسی طرح قائم تھا، لیکن نکے دار نہیں، دہلی کی سی گہری اور مولویانہ پاجامہ لیکن ٹخنوں سے اونچا، آگرہ کا سیاہ پمپ، گڈا سے بنے ہوئے تھے۔''(۱)

جب میں نے قادری صاحب کی تصویر کالج کے میگزین ''شفق'' میں دیکھی، واقعی قادری صاحب پاک صورت اور نورانی چہرے کے مالک تھے۔ قادری صاحب ایک نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے اشعار شوخ اور برمحل ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے تحریک صدارت سے قبل سینٹ جانس کالج آگرہ کے ایک طرحی مشاعرے میں یہ قطعہ پڑھا تھا۔ چند اشعار پیش ہیں۔

ہمیشہ کاملانِ فن یہاں تشریف لاتے ہیں
ہوا کرتی ہے یہ بزم سخن مے خانہ برسوں سے
کمی مجمع کی شاید ابر و باراں کے سبب سے ہے
مگر ہم کو نہ ہوا تھا اتفاق ایسا نہ برسوں سے ہے

---

(۱) نقوش شخصیات نمبر ۱۹۵۶ صفحہ ۲۷۳

سکون سے آج تھوڑا کام لے لیتی تو کیا ہوتا
تڑپتی ہی رہی ہے برق، بے تابانہ برسوں سے

قادری صاحب نے رباعیاں بھی لکھی۔ یہ شاعرانہ ذوق کا اثر تھا کہ کمال فانیؔ، کمال داغؔ، یادگار انیسؔ، جیسی تصانیف اردو ادب کو دی ہے۔ طالب علموں کو اشعار بہت آسانی سے سمجھا دیتے تھے۔ ''شفق'' میں سید معظم علی شاہ صاحب آپ کے شاعرانہ ذوق کے متعلق فرماتے ہیں۔

''اشعار کا مطلب سمجھنے اور سمجھانے میں موصوف کو انفرادیت حاصل ہے مشکل سے مشکل اور معمہ قسم کے اشعار کو اتنی آسانی اور سہولت کے ساتھ سمجھا دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ پچھلی جولائی سے اب تک دو کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ انتخاب کلام مومنؔ اور انتخاب کلام غالبؔ فارسی مع شرح ان دونوں میں مشکل اشعار کے معنی نہایت آسان اور سادہ زبان میں تحریر کئے ہیں۔ قادری صاحب زود نویس بھی بہت زیادہ ہیں۔ اکثر کتابیں نہایت قلیل عرصے میں تصنیف کی ہیں۔ انتخاب مومنؔ مع شرح صرف مہینہ بھر کا کارنامہ ہے۔ انتخاب کلام غالب صرف پندرہ دن کا۔''(۱)

کالج کے اردو و عربی شعبہ کو ترقی کی منزل تک پہنچانے میں قادری صاحب کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۲ء تک قریب ۲۵ سال تک آپ نے سینٹ جانس کالج کی خدمت انجام دی اور اس طویل عرصہ میں کالج کی ترقی اور کامیابی کے لئے آپ مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ آپ کی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ طالب علموں کے لئے کالج میں ادبی ماحول پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ قادری صاحب نے نایاب تصانیف اردو ادب کو دی جس کے لئے اردو ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔ صباؔ اکبرآبادی نے آپ کے متعلق لکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

---

(۱) شفق ۱۹۵۲ صفحہ ۱۳

متانت شرافت، محبت خلوص
بس ایک ذات میں جمع ہر برتری
نگاہوں میں گلہائے نقد و نظر
تعصب کے خاروں سے دامن بری
قلم موشگافِ رموز وادب
نظر جوہر علم کی جوہری
یہ الفاظ دیگر یہ اے صبا
سراپائے حامد حسن قادری
(۱)

قادری صاحب کی ذات میں یہ خوبیاں موجود تھیں۔ وہ واقعی میں علم کے جوہری تھے۔ محنت اور خلوص آپ کی شخصیت کے اہم پہلو تھے۔ قادری صاحب ۱۹۵۲ء میں کالج اور انجمن کو شاندار خدمات کے بعد اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئے اس کے بعد آپ پاکستان چلے گئے اور اردو ادب کی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن آپ نے سینٹ جانس کالج کی جو خدمت انجام دی اس کے لئے سینٹ جانس کالج میں آپ کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا رہے گا۔

مغیث الدین صاحب فریدی

۱۹۴۸ء میں مغیث الدین فریدی صاحب کا تقرر بحیثیت استاد ہوا۔ فریدی صاحب سینٹ جانس کالج کے ہونہار طالب تھے۔ آپ نے سینٹ جانس کالج سے ہی بی۔ اے۔ کیا اور اس کے بعد علی گڑھ سے اول درجے میں ایم۔ اے۔ کیا۔ مغیث الدین صاحب فریدی ایک کامیاب استاد ہونے کے علاوہ ایک شاعر و نقاد بھی تھے۔ فریدی صاحب کا

---

(۱) اردو کالج میگزین ۱۹۷۶ء ص ۲۶

مجموعہ کلام ''کفر تمنا'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ قادری صاحب کے جانے سے شعبہ میں جو خلاء پیدا ہوگئی اس کو پوری کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔ مغیث صاحب اپنے طالب علموں کے ساتھ نہایت ہی محنت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ طالب علموں کو پڑھانے میں بہت محنت کرتے اس لئے طالب علموں کو اردو کے گھنٹے کا انتظار رہتا تھا۔ ان کا مزاج شاعرانہ تھا اس لئے وہ نظم کا پرچہ سال بھر پڑھاتے اور نثر کے متعلق امتحان کے قریب جا کر خیال کرتے اور سال کے آخر میں گھر پر الگ سے کلاس لے کر نثر کی تیاری کراتے۔ جناب مقصود اللہ خاں صاحب فریدی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ''گھر پر کلاس ہونیکا مزہ ہی کچھ اور تھا چائے بن رہی ہے پان کے دور چل رہے ہیں۔ اپنے طالب علموں کو اس شفقت سے چائے پلاتے اور پان کھیلاتے جیسے اب ہم لوگ ان کے گھر کے ہی فرد ہوں۔ اسی درمیان لیکچر بھی ہوتا جاتا۔ نوٹس لکھائے جاتے تھے دو سال میں ان کا طالب علم رہا اور یہ تماشا ہر سال دیکھنے میں آتا۔''(۱)

فرید صاحب کو شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا آپ کی غزلیں ابتدائی تعلیم کے زمانے سے ہی رسائل میں شائع ہونے لگی تھی۔ ''شفق'' میں آپ کی غزلیں اس زمانے میں بھی شائع ہوئی جب آپ درجہ نہم، وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ میں پڑھتے تھے اور جب آپ نے سینٹ جانس کالج میں داخلہ لیا تو آپ کے مضامین اور غزلیں کالج کی میگزین میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

میرے ارمانوں کی مٹتی ہوئی دنیا کیا ہے
خون دل خون جگر خون تمنا کیا ہے

---

(۱) اردو کالج میگزین ۱۹۷۶ ص ۵۵

میں بھی ہوں تیرا شوق بھی درد بھی ہے جگر بھی ہے
آں خطا شعار بھی نالۂ بے اثر بھی ہے
(۱)

فریدی صاحب کو شاعری سے زیادہ انسیت تھی وہ نظم کو اس طرح پڑھاتے کہ وہ نہ صرف طالب علموں کو ذہن نشین ہو جاتی بلکہ طالب علموں میں شاعری کے لئے دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی۔ مغیث صاحب ہر طالب علم سے دوستانہ برتاؤ کرتے اس لئے کالج کے طالب علم ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ ان کے ایک طالب علم مقصود اللہ خاں صاحب آپ کے خلوصانہ برتاؤ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''کالج کے لڑکے چاہے کسی شعبہ کے ہوں مغیث صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے اور شریر سے شریر طالب علم کو بھی ان کی عزت واحترام کرتے دیکھا گیا اس کا سبب ان کا خلوص تھا یہی وجہ ہے کہ طالب علم کے دل میں ان کے لئے خاص جگہ بن جاتی تھی۔''(۲)

فریدی صاحب طالب علموں کو بہت محبت وشفقت سے پڑھاتے تھے پڑھاتے وقت انہیں وقت کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ جس کا اثر آپ کی صحت پر بھی ہوتا تھا۔ آپ کی صحت کے بارے میں سید معظم علی شاہ رقم طراز ہیں۔

''اس محنت کا اثر ''نزلہ برعضو ضعیف'' یعنی آپ کی صحت پر پڑتا ہے۔ آپ کی صحت بہت نازک ہے۔ ''خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے اور یہ غالباً آپ کی نزاکت طبع کا ہی نتیجہ ہے اس لئے کہ آپ نازک خیال اور نازک طبع شاعر ہیں۔ شاعری سے چل کر آپ کی نازک طبعی کا اثر آپ کی صحبت سے آگے بڑھ کر کبھی کبھی کلاس تک بھی پہنچ جاتا ہے۔''(۳)

---

(۱) شفق ۱۹۵۲ ص ۶۳
(۲) اردو کالج میگزین آگرہ ۱۹۷۶ء ص ۵۵
(۳) شفق ۱۹۵۲ء ص ۱۵

فریدی صاحب انجمن ترقی اردو کے وائس پرسیڈنٹ رہے۔ انجمن ترقی اردو کا ایک مشاعرہ ۵۷-۱۹۵۶ میں ہوا۔ فریدی صاحب نے اس مشاعرے میں جگرؔ صاحب کی خدمت میں شعبہ اردو کی جانب سے سپاس نامہ پیش کیا۔ حضرت جگر مرادآبادی کے اعزاز میں شاندار مشاعرہ کالج ہال میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرے میں میکشؔ اکبرآبادی، جگرؔ مرادآبادی، جناب باغؔ اکبرآبادی، جناب، ہوشؔ اکبرآبادی، جناب حکیم عشرتؔ اکبرآبادی، جناب صہباؔ اکبرآبادی، تابشؔ اکبرآبادی، جناب معینؔ فریدی، اصغرؔ اکبرآبادی، جناب سبحان احمد راہیؔ، چمنؔ اکبرآبادی، اسرارؔ اکبرآبادی جیسے مشہور شعراء نے شرکت کی اور آگرہ کالج کے وائس چانسلر مہاجن صاحب بھی تشریف لائے۔ طلباء نے حسن وذوق اور سنجیدگی کے ساتھ مشاعرے میں حصہ لیا۔ طالب علموں کی محنت اور سنجیدگی کو دیکھ کر جگر صاحب بھی کہے بغیر نہ رہ سکے کہ عام طور پر کالجوں کے مشاعروں میں ایسا سکون نہیں ہوتا جیسا سینٹ جانس کالج کے مشاعرے میں دیکھا۔''

یہ مغیث صاحب کی محنت اور جاں فشانی کا ہی اثر تھا کہ کالج میں اردو ادب کے شعبہ کا اپنا اہم مقام تھا۔ جب تک مغیث صاحب یہاں رہے اس دوران یہاں پر بہت سے مشاعرے ہوئے جن میں آل انڈیا مشاعرے بھی شامل تھے۔ فریدی صاحب کی انتخاب دیوان غالبؔ مع تنقیدی مقدمہ وتشریح اشعار، انتخاب مثنویات اردو مع مقدمہ، انتخاب قصائد اردو مع مقدمہ، قومی یک جہتی اور اردو شاعری، اقبال کا شاہین سید امان نثار، غالب کے پسندیدہ اوزان، انتخاب غزلیات حافظ مع فرہنگ بلاغت اور عروض کے تشریحی حوالے جیسی کتابیں ومقالات شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کا تقرر دہلی یونیورسٹی میں ہوگیا آپ کے چلے جانے کے بعد اردو کا صورت حال بہت برا ہوا۔ کالج میں اردو کا شعبہ ختم ہوگیا۔ آگرہ چھوڑ دینے کے بعد بھی آگرہ سے آپ کی انسیت ختم نہیں ہوئی۔ کالج کے ادبی پروگراموں اور مشاعروں میں فریدی صاحب شرکت کرتے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں جشنِ میکشؔ کے موقع پر آگرہ آئے اور اس مشاعرے میں فرید صاحب نے ایک غزل بھی پڑھی جس کے چند اشعار اس طرح ہیں۔

گھر سے جب باہر قدم نکلے تو یہ منظر ملے
راہ میں نیزے ملے نیزوں کے اوپر سر ملے
پھول طعنوں کے ملے یا طنز کے پتھر ملے
ہم تو دیوانے تھے جس سے بھی ملے کھل کر ملے
(۱)

جشن میکشؔ کہ موقع پر فرید صاحب نے ''میکشؔ کی غزل گوئی'' پر ایک مقالہ پڑھا۔ جس میں انکی غزل گوئی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مغیث الدین فریدی صاحب نے سینٹ جانس کالج کی جو بیش بہا خدمت انجام دی اس کے لئے کالج کا اردو شعبہ آپ کو کبھی نہیں بھلا پائے گا۔

سید معظم علی شاہ

سید معظم علی شاہ کا تقرر ۱۹۴۹ء میں بحیثیت استاد ہوا جو کہ کالج میں ایم۔اے۔ شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ اسی کالج کے طالب علم تھے۔ آپ نے زمانہ طالب علمی میں بھی ٹیوٹر کی حیثیت سے پڑھایا۔ آپ نے ۱۹۴۸ء میں سینٹ جانس کالج سے ہی ایم۔اے۔ فارسی میں کیا۔ جب آپ یہاں استاد کے عہدے پر قائم ہو گئے تو آپ نے اردو میں بھی ایم۔اے۔ کیا۔ آپ کے والد میکشؔ اکبر آبادی آگرہ کی ادبی تاریخ میں خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ میکشؔ صاحب کے مجموعہ کلام ''میکدہ''، ''حرف تمنا'' اور ''داستان شب'' ہے۔ میکشؔ صاحب ایک شاعر ہونے کے کے ساتھ ساتھ ایک مصنف بھی تھے۔ ''نغمہ اور اسلام''، ''نقد اقبال''، ''توحید و شرک''، ''مسائل تصوف'' جیسی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ میکشؔ اکبر آبادی اکثر کالج کے اجلاس میں شرکت کرتے تھے جس سے کالج اور ان کے درمیان ایک خاص قسم کا رشتہ پیدا ہو گیا تھا۔ جب کالج میں اساتذہ کی ضرورت پیش آئی تو میکشؔ صاحب نے اپنے صاحبزادے کو مشورہ دیا تو معظم علی شاہ صاحب نے نوکری کے لئے عرضی دے دی اور ان کا تقرر بحیثیت استاد ہو گیا۔ کافی عرصہ سے میری تمنا تھی کہ میں

---

(۱) میکشؔ اکبر آبادی ۱۹۸۸ ص ۵۵

میکشؔ صاحب کے دولت کدہ کا دیدار کروں۔ کالج میگزین سے مجھے علم ہوا کہ ایم۔اے۔ شاہ صاحب میکشؔ اکبرآبادی کے جاں نشیں تھے۔ میں اور میرے والدان کے مکان 'جو کہ میورہ کٹرہ میں ہے' پہنچ گئے۔ پہلی بار ہم دوپہر کے وقت گئے۔ جب میں نے اس مکان میں قدم رکھا اور دائیں طرف سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر گئی تو ویرانہ سا معلوم ہوا۔ کئی بار پکارنے پر ایک خاتون مجھ سے مخاطب ہوئی انہوں نے مجھے شام کو آنے کے لئے کہا اور میں شام کو پھر سے ایم۔ اے۔ شاہ کے صاحبزادے اجمل علی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ لیکن شام کا تو نظارہ ہی کچھ اور تھا اسرارؔ اکبرآبادی، جلیلؔ اکبرآبادی، ششی ٹنڈن اور شعروشاعری سے انس رکھنے والی کئی شخصیات وہاں موجود تھی ان لوگوں نے مجھے ضروری معلومات فراہم کرنے میں میری مدد دی اجمل علی شاہ صاحب اب بھی اپنی خاندانی وجاہت اور علمی فضیلت کو بنائے رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ''بزم اقبال'' اور ''انجمن ترقی اردو آگرہ'' کے بارے میں کافی جانکاری فراہم کرائی۔ اجمل علی شاہ صاحب نے اپنے والد کے بارے میں بھی کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

ایم اے۔ شاہ صاحب نے جب سینٹ جانس کالج میں اردو کی کلاس بند ہوگئی تو ایم۔اے۔ شاہ صاحب، انجمن ترقی اردو، بزم اقبال اور معین فریدی کی کوششوں سے ایک بار پھر ۱۹۷۵ء سے اردو کی کلاس لگنا شروع ہوئی۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۵ء تک اردو کے طالب علموں کو بہت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب ۱۹۷۵ء میں اردو شروع ہوئی اس سال صرف دو طالب علم تھے جنہوں نے اردو میں داخلہ لیا۔ ان میں ایم۔اے۔ شاہ صاحب کے صاحبزادے اجمل علی شاہ صاحب بھی ایک تھے۔ اس وقت اردو کی تعلیم دینے کے لئے باقاعدہ کسی استاد کو مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ ایم۔اے۔ شاہ صاحب ہی طلباء کو پڑھاتے تھے اور طلباء آگرہ کالج سے امتحان دیتے تھے۔ ۱۹۸۰ء تک اسی طرح پڑھاتے رہے جب کہ علی احمد فاطمی صاحب بحیثیت استاد مقرر ہوئے تب فاطمی صاحب نے اردو کی تعلیم دینا شروع کیا۔ آپ کے کالج کی میگزین ''شفق'' کے پرسیڈنٹ بھی رہے۔ ایم۔اے۔ شاہ صاحب کے مضمون کالج میگزین میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ''علامہ'' میکشؔ اکبرآبادی ادبی ''مجلّہ'' کتاب شائع ہوئی۔ ایم۔اے۔ شاہ صاحب اس کتاب کے نگراں تھے۔

ایم۔اے۔شاہ صاحب شعبہ نفسیات کے صدر بھی رہے۔ایم اے۔شاہ صاحب سینٹ جانس کالج میں خاص مرتبہ رکھتے تھے۔آپ کی کوششوں سے کالج میں ایک بار پھر اردو کا شعبہ قائم ہوسکا۔اس کے علاوہ آگرہ کی ایک اور ادبی شخصیت طاہر فاروقی صاحب نے بھی کالج میں کچھ عرصہ تدریس کا کام کیا اور اپنے علم سے طلباء کو فیض یاب کیا۔

ڈاکٹر علی احمد فاطمی صاحب نے بھی کالج میں اردو ادب کے فروغ کے لئے بہت سی کوششیں کی۔علی احمد فاطمی صاحب استاد ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے انہوں نے طلباء کے دلوں میں اردو ادب کا ذوق پیدا کیا اور کالج میں سیمینار کی بنیاد ڈالی۔

اسرارالحق مجاز

مجاز کا سینٹ جانس کالج سے تعلق تعلیمی دنوں سے ہے کالج میں مجاز نے زیادہ وقت تو نہیں گذارا لیکن جتنا عرصہ وہ یہاں رہے وہ ان کی ادبی زندگی کے لئے اہم ثابت ہوا۔مجاز ترقی پسند شعراء میں اہم مقام رکھتے ہیں۔مجاز رومانی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ انقلابی شاعر بھی ہیں۔انہوں نے رات اور ریل،انقلاب،مسافر،آوارہ،سرمایہ داری جیسی نظمیں لکھیں۔مجاز اردو ادب کے ایسے شاعر ہیں جن کے بارے میں جتنا لکھا جائے کم ہے لیکن مجھے صرف سینٹ جانس کالج سے ان کے تعلق کے متعلق ہی روشنی ڈالنی ہے تو انہیں حدوں میں رہنا صحیح ہوگا۔

۱۹۲۹ء میں والد کا تبادلہ آگرہ ہوجانے کے سبب سے مجاز آگرہ آ گئے اس وقت ان کی عمر تقریباً ۱۷ سال تھی مجاز نے ایف۔ایس۔سی میں داخلہ لیا۔ان کی کلاس میں ہی معین احسن جذبی بھی پڑھتے تھے کالج میں حامد حسن قادری قابل استاد تھے۔کالج میں انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ بھی قائم تھی۔جس میں میکش اکبرآبادی کا آنا بھی ہوتا تھا۔میکش صاحب کے ذریعہ فانی بدایونی سے ملاقات ہوئی جو کہ ۱۹۲۹ء میں ہی آگرہ تشریف لائے تھے۔مجاز میکش صاحب اور فانی صاحب کے دولت کدہ پر جاتے اور وہاں شعروشاعری کا ماحول رہتا تھا۔مجاز اسی ادبی ماحول سے متأثر

ہوئے اور یہیں سے طبیعت میں شعروشاعری کے لئے دلچسپی بڑھنے لگی۔ اور یہ مجاز کی زندگی کا اہم موڑ تھا جب ۱۹۳۰ء میں ان کی والد کا تبادلہ علی گڑھ ہوجانے کی وجہ سے گھر والوں کو علی گڑھ جانا پڑا۔ مجاز کے والد نے انہیں سینٹ جانس کالج کے ہاسٹل میں ڈال دیا۔ مجاز پہلی بار اپنے والد سے دور رہے تھے۔ اس سلسلے میں محمد حسین دیپک شکوہ آبادی اپنی کتاب ''مجاز سوانح شخصیت اور شاعری'' میں لکھتے ہیں۔

> ''مجاز کی زندگی کا پہلا موڑ ۱۹۳۰ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ سینٹ جانس کالج آگرہ کے بورڈنگ کی زندگی نصیب ہوئی منچلے دوستوں کا ساتھ شروع ہوا۔ گھر کے قید و بند سے آزاد ہوئے اب شاعری کا جنون اپنے شباب پر تھا رات رات بھر شعروشاعری کی محفلیں گرم ہونے لگی۔''(۱)

ان محفلوں کا مرکز میکش صاحب کا گھر ہوتا تھا اور مجاز میکش صاحب کے گھر جاتے تھے۔ میکش صاحب کے مکان کے دونوں طرف طوائفیں رہتی ہیں اور اس زمانے میں بھی رہتی تھی۔ میکش صاحب کا مجاز کے متعلق خود ایک مضمون جو کہ علی گڑھ میگزین میں شائع ہوا اس میں لکھتے ہیں۔

> ''ایک روز ایسا ضرور ہوا کہ وہ شام کو حسب معمول میرے یہاں آئے اور ہم سب کی طرف پشت کر کے ایک مکان کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ مجھے یہ بات خصوصیات سے بری لگی کیوں کہ اس وقت کچھ ایسے لوگ بھی بیٹھے تھے جن کی میں عزت کرتا تھا۔''(۲)

میکش صاحب کے پوتے اجمل علی شاہ ان طوائفوں کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میکش صاحب کہا کرتے تھے۔ ''ایک طرف تو اللہ میاں ہیں اور دوسری طرف شیطان'' یعنی مجاز جب میکش صاحب کے مکان پر جاتے تھے تو وہ ان طوائفوں کو بڑے غور سے دیکھا کرتے تھے۔ انہیں دنوں مجاز کو فانی کی صحبتیں میسر ہوئیں اور وہ ان کے گھر بھی جانے

---

(۱) مجاز سوانح شخصیت اور شاعری، محمد حسین دیپک شکوہ آبادی
(۲) علی گڑھ میگزین، میکش اکبرآبادی، ''مجاز'' ص ۳۰

لگے ابتداء میں مجاز، فانی سے اصلاح لیتے تھے اور شہید تخلص استعمال کرتے تھے لیکن کالج ہی میں ۱۹۳۱ء میں آپ نے اپنا تخلص مجاز رکھ لیا تھا اس کی تائید ان کی غزل جو کہ شفق میں شائع ہوئی اس سے ہوتی ہے اس غزل میں آپ نے مجاز تخلص استعمال کیا ہے۔

آگرہ کے قیام کے زمانے میں انہوں نے جو غزلیں لکھیں ان کی تعداد بہت کم ہے لیکن یہ زمانہ انکی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ آگرہ ہی میں آپ کی زندگی میں خاص بدلاؤ آیا زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ پڑھائی لکھائی سے طبیعت ہٹ گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امتحان میں فیل ہوگئے۔ ایک طرف تو وہ امتحان میں کامیاب نہ ہوسکے دوسری طرف ۱۹۳۱ء میں کالج کے انعامی مقابلے کے مشاعرے میں پہلا انعام حاصل کیا۔ مجاز کے اس رویئے سے پریشان ہوکر والد صاحب نے علی گڑھ بلالیا۔ آپ آگرہ سے علی گڑھ پہنچ گئے۔ لیکن کالج میں گذرے ۲ سال میں ان کی شاعری کی ابتداء ہوچکی تھی۔ منظر سلیم نے اپنی کتاب ''مجاز حیات اور شاعری'' میں رقم طراز ہیں۔

> ''دوسری طرف آگرہ کے قیام کا زمانہ ان کی شاعری کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ آگرہ کے ادبی ماحول نے ان کی صلاحیتوں کے ابھرنے کے مواقع فراہم کئے وہ آگرہ پہنچے تھے تو میکش اکبر آبادی کے الفاظ میں شعر بھی معمولی سا کہتے تھے اور پڑھنا بھی خدا کا نام تھا۔ لیکن جب سائنس میں فیل ہونے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لئے وہ آگرہ سے روانہ ہوئے تو ان کی شاعری کی بنیاد پڑ چکی تھی اور یہ بنیاد اس قدر مضبوط تھیں کہ ان پر اونچی سے اونچی عمارت تعمیر کی جاسکتی تھی۔''(۱)

اس زمانے میں آگرہ کی ادبی شخصیتوں اور کالج کے ادبی ماحول کا ایسا اثر پڑا کہ شعر و شاعری سے ان کا لگاؤ بڑھتا ہی گیا۔ مجاز آگے چل کر اردو شاعری کے اہم شاعر قرار دیئے گئے۔ آج کالج میں آپ کا نام بڑے ادب کے

---

(۱) مجاز حیات اور شاعری، منظر سلیم (طبع اول) ۱۹۶۷ء صفحہ ۳۱۔۳۲

ساتھ لیا جاتا ہے اور کالج کے اساتذہ اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ اتنے بڑے شاعر نے یہاں پر تعلیم حاصل کی۔

معین احسن جذبی

جذبی موجودہ عہد کے بہت ممتاز شاعر ہیں۔ جذبی نے سینٹ جانس کالج میں ۱۹۲۹ء میں ایف۔ایس۔سی۔ میں داخلہ لیا اور کلاس میں آپ کی ملاقات مجاز سے ہوئی جو کہ آپ کے ہم جماعت تھے اور سائنس کے طالب علم تھے سینٹ جانس کالج میں تعلیم کا زمانہ ان کی شاعری کے لئے کارآمد ثابت ہوا۔ انور صدیقی اس سلسلے میں ''گداز شب'' کے پیش لفظ میں کہتے لکھتے ہیں۔

> ''ان کی شاعری کا تشکیلی دور آگرہ میں گزرا جہاں وہ سینٹ جانس کالج میں طالب علم تھے اور اسرار الحق مجاز کے ہم سبق اسی زمانے میں انہوں نے حامد شاہ جہاں پوری سے فن شعر کی باریکیاں سیکھیں۔ میکش صاحب اور فانی بدایونی کی صحبتوں میں ان پر شعری خیر و شر کے امتیازات واضح ہوئے۔ شروع میں انہوں نے اپنی طبیعت کی المناکی کی مناسبت سے ملال تخلص اختیار کیا مگر جلد ہی انہوں نے یہ تخلص ترک کر دیا اور اپنے آپ کو جذبی کہلانا پسند کیا۔''(۱)

مجاز اور جذبی ہم جماعت ہونیکے علاوہ اچھے دوست بھی تھے۔ دونوں ہم خواں اور ہم عمر تھے اس لئے آپس میں خوب بنتی تھی۔ کالج میں آپ کی دوستی بہت مشہور تھی ساتھ کھانا ساتھ رہنا ساتھ کالج جانا یہاں تک کہ دونوں ساتھ ہی فانی اور میکش صاحب کے گھر بھی جاتے تھے۔ آپ کی دوستی کے بارے میں انور عظیم ''نقوش'' میں رقم طراز ہیں۔

> ''اس زمانے میں جذبی اور مجاز کی دوستی بہت بڑھ گئی۔ بلکہ بقول جذبی ''دوستی ان دنوں صرف مجاز سے تھی'' لڑکے کہا کرتے تھے ''دونوں نکاح کرلو'' خود ان کے وارڈن ان کے

(۱) گداز شب (طبع اول) ۱۹۸۵ء صفحہ ۸

''جڑوال پن'' کے کچھ اتنے قائل ہو گئے تھے کہ جذبی ان سے سینیما جانے کی چھٹی لیتے تو وہ فرماتے۔ "Yes Asrarulhaq(Mazaz) can also go"(۱)

جذبی اور مجاز دونوں کی طبیعت کورس کی کتابوں میں بھی نہیں لگتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ہی امتحان میں کامیاب نہیں ہو پائے۔ ہر وقت شعر و شاعری کا جنون سر پر سوار رہتا تھا مولانا حامد حسن قادری سے جذبی بہت متأثر ہوئے۔ میکش صاحب انجمن کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے تو آپ کی ملاقات میکش صاحب سے ہوئی اور ان دنوں ہی فانی سے ملنے کا موقع ملا جو کہ نائی کی منڈی میں رہتے تھے۔ فانی سے ان کی ملاقات کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں۔

''ان دنوں شعر و شاعری سے اتنی گہری دلچسپی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا دنیا بھر کی کتابیں پڑھتا تھا لیکن نصاب کی نہیں۔ جب آگرہ آئے سنا فانی کا قیام بھی آگرہ میں ہی ہے۔ فانی سے ملنے کا بہت شوق تھا یہ ملاقات مجاز کے چھوٹے بھائی کی معرفت ہوئی۔ فانی آئے۔ ہم نے سلام کیا۔ فانی بڑی بارعب شخصیت کے ادھیڑ عمر آدمی تھے۔ انہوں نے ہمیں بیٹھایا اور ہمارا شغل پوچھا۔ میں نے کہا سینٹ جانس کالج میں پڑھتا ہوں۔ کہنے لگے کیا کیا مضامین لئے ہیں؟ میں نے کہا سائنس ہیں پھر بولے آپ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہے؟ میں گردن جھکائے بیٹھا تھا شرما کر ہاں میں گردن ہلا دی۔ فانی صاحب نے کہا کچھ سنایئے۔ اس زمانے میں مجھے سنانے کا بڑا شوق تھا چنانچہ میں نے ایک غزل سنائی۔

دل کو ہونا تھا جستجو میں خراب
پاس تھی یوں تو منزل مقصود

---

(۱) نقوش شخصیات نمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۷۰

غزل سن کر داد دی۔ کہا پھر سناؤ میں نے پھر سنائی۔ فانی صاحب نے یہ شعر بار بار پڑھا۔ ایک آدھ لفظ کی اصلاح بھی کی میں نے اسے قبول بھی کیا۔ لیکن انہیں شاید یقین نہیں ہوا کہ یہ غزل میں نے لکھی ہے۔ کہا کچھ اور سنایئے میں نے یہ غزل سنائی۔

غم کی تصویر بن گیا ہوں میں
خاطر درد آشنا ہوں میں

جب میں مقطع پر پہنچا

ضبط غم بے سبب نہیں ملاؔل
خلش دل بڑھا رہا ہوں میں

(ان دنوں میرا تخلص ملاؔل ہوا کرتا تھا) فانؔی صاحب نے کہا پھر پڑھئے۔ میں نے پھر پڑھا۔ کہا پھر پڑھئے۔ میں نے پھر پڑھا۔ بولے اب تک جتنے طالب علم میرے پاس آئے تم ان میں سب سے الگ ہو اس روش کو برقرار رکھنا۔''(۱)

اس کے بعد جذبؔی نے فانؔی صاحب سے اپنے ابتدائی کلام میں اصلاح لی لیکن زیادہ دن تک اصلاح نہیں لی۔ کالج کی زندگی اور آگرہ کا ادبی ماحول ملنے سے آہستہ آہستہ شعروشاعری سے لگاؤ۔ پیدا ہونا لازمی تھا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر نسرین خان لکھتی ہیں۔

''آگرہ کی زندگی میں نوجوانی کا کھلنڈراپن، اسرارالحق مجاؔز کا ساتھ دونوں ہی ہم مزاج اور ہم طبیعت۔ جوڑی بن گئی ان دونوں کی ''آزادانہ روی'' جو کہ عمر کا بھی تقاضا تھا۔ دونوں ہی کی شاعری پر اثر انداز ہوتی رہی ''آزادانہ روی'' کے پیچھے مسلمہ اقدار۔ خواہ خانگی ہوں خواہ

---

(۱) جذبی کے ساتھ ایک انٹرویو، جو کہ ان کی اپنی آواز میں میرے پاس محفوظ ہے، ۲۰۰۱ء

سماجی اور معاشرے کے خلاف ایک لاشعوری اور نامحسوس قسم کی بغاوت کا جذبہ تھا۔ بغاوت کا یہی جذبہ جب آگے چل کر پختگی کی عمر تک آتا ہے تو ان دونوں کی شاعری کا بنیادی عنصر بن جاتا ہے۔''(۱)

جذبی صاحب نے کالج سے جانے کے بعد بھی سینٹ جانس کالج سے ان کا تعلق ختم نہیں ہوا۔ ان کی غزلیں کالج کی اردو میگزین شفق میں شائع ہوتی تھی۔ ۱۹۵۸ء میں آپ کی غزل شائع ہوئی اس کے چند اشعار پیش ہیں۔

ہر داغ دل میں عکس رخ گلبدن لئے
بیٹھے ہیں اہل عشق چمن در چمن لئے
جب ذکر تیرے شہر لب ورخ کا چھڑ گیا
ہم چپ رہے ہیں تلخی کام ودہن لئے
(۲)

جذبی ایک غزل گو شاعر ہونے کے ساتھ نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ان کی فطرت ایک مفلس کی نظر میں، موت، طوائف، میری شاعری اور نقاد اور نیا سورج جیسی نظمیں خاص مرتبہ رکھتی ہیں۔ ان نظموں میں موجودہ دور کے مسائل ہندوستانی معاشرت کا کرب اور پیچیدگی ہے۔ اس طرح سینٹ جانس کالج کا یہ طالب علم آگے چل کر آسمانِ شاعری پر چھا گیا۔

غلام ربانی تاباں

غلام ربانی تاباں کا نام اردو ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے انہوں نے نظمیں اور غزلیں دونوں ہی لکھیں۔ تاباں کا شمار ترقی پسند شعرا میں کیا جاتا ہے تاباں صاحب کے کئی سال اس کالج میں گذرے۔ ۱۹۳۳ء میں

(۱) جذبی کی شاعری کی تنقیدی مطالعہ، ۱۹۹۳ء ص ۸۵
(۲) شفق ۱۹۵۸ء

جب علی گڑھ یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد وہ آگرہ آ گئے۔ وَ گرہ آنے کی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی لیکن انہوں نے آ گرہ آ کر آ گرہ کے مشہور کالج ''سینٹ جانس کالج'' میں بی۔اے میں داخلہ لیا۔ کالج میں مولانا عابد حسن صاحب فریدی اور مولانا حامد حسن قادری سے بہت متأثر ہوئے۔ آگرہ کے ادبی ماحول کے سلسلے میں شفیق النساء قریشی فرماتی ہیں۔

> ''تاباں جس زمانے میں آگرہ میں زیر تعلیم تھے جذبی اور مجاز کالج چھوڑ چکے تھے۔ فانی بھی آگرہ سے حیدر آباد جا چکے تھے پھر بھی سیماب اکبر آبادی، میکش اکبر آبادی، پروفیسر حامد حسن قادری، ل احمد، مانی، جائسی، پروفیسر طاہر فاروقی جیسے ادیب اور شاعر وہاں موجود تھے جن کی وجہ سے آگرہ ادبی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔''(۱)

آگرہ میں تعلیم کے دوران وہ فرنچ ہاسٹل میں رہے۔ ۱۹۳۶ء میں تاباں نے کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور ایل۔ایل۔بی۔ میں داخلہ لیا۔ آگرہ میں حامد حسن قادری بھی ان کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ تاباں سنجیدہ قسم کے انسان تھے۔ اور وہ جس بات کو صحیح سمجھتے اس پر عمل بھی کرتے تھے ایک واقعہ شفیق النساء قریشی بیان کرتی ہیں۔

> ''وہ اس زمانے کے اساتذہ کی غزلوں کی پیروڈی لکھ کر خود ان کی موجودگی میں مشاعروں میں سناتے نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اہم مقامی شاعران سے ناراض ہو گئے۔ غلام ربانی تاباں نے ''یاد ایام'' میں لکھا ہے کہ انہیں دنوں کالج میں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا تو ان صاحب نے شرکت سے انکار کر دیا۔ قادری صاحب نے انہیں پیروڈی لکھنے سے باز رکھنا چاہا تو انہوں نے قادری صاحب سے کہا کہ ''ان حضرات کو یقین دلا دیجئے کہ میں کالج کے

---

(۱) غلام ربانی تاباں حیات اور شاعری، شفیق النساء قریشی، ۱۹۸۰ء ص ۳۸

مشاعرے میں شریک نہ ہوں گا۔ جس روز کالج میں مشاعرہ ہوگا میں ہاسٹل میں ایک مشاعرے کا انتظام کروں گا۔ طالب علموں کو اس امر کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ جس مشاعرے میں چاہیں شرکت کریں'' یہ تجویز سن کر قادری صاحب مسکرائے اور ''بہت شریر ہو'' کہہ کر بات ختم کردی۔''(۱)

شفق میں آپ کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا تھا کچھ نمونے مثال کے طور پر پیش ہیں۔

(۱)

تیری تلاش میں قریب نظر سے گزرا ہوں
قدم قدم پہ فریب نظر سے گزرا ہوں

(۲)

خیال دوست کو خوشبوئے پیرہن کہئے
کھلے وہ زخم کہ پھولوں کی انجمن کہئے

(۳)

عجب بات ہے کچھ لو آپ ہی رکھتے ہیں
خلوص شوق جسے دل کا بانکپن کہئے

(۴)

اپنی وحشت کی قسم، اپنی جہالت کی قسم
میں حماقت ہی حماقت ہوں، حماقت کی قسم

(۲)

سینٹ جانس کالج میں آپ کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے آپ کالج کے مشہور ہونہار طالب علم تھے۔ کالج سے نکلے ذہین طالب علموں کی فہرست میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ تاباںؔ صاحب کے تین مجموعے کلام شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ''سازلرزاں ۱۹۵۰ء'' ''حدیث دل ۱۹۶۰ء'' اور ''ذوق سفر ۱۹۷۰ء'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ ''مضامین غلام ربانی تاباںؔ کے نام سے ''انجمن ترقی اردو ہند'' نے شائع کیا ہے یہ مجموعہ

---

(۱) غلام ربانا تاباںؔ ''حیات اور شاعری'' شفیق النساء قریشی ۱۹۸۰ء ص ۳۸
(۲) شفق ۱۹۳۷، ۱۹۶۷، ۱۹۶۹

۲۶ مضامین پر مشتمل ہے۔ تاباںؔ صاحب ایک مدت تک بابائے اردو مرحوم کے رفیق کار رہے۔ اس کتاب پر غلام یزدانی صاحب نے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ بھی لکھا ہے۔

غلام ربانی تاباںؔ کا کالج سے بہت گہرا رشتہ تھا وہ اردو ادب میں بھی اہم مقام رکھتے ہیں۔ غلام ربانی تاباںؔ اور سینٹ جانس کالج کے ممتاز طالب علموں میں سے ایک تھے۔

آل احمد سرورؔ

آل احمد سرورؔ بھی کالج کے ممتاز طالب علموں میں سے ہیں سرورؔ صاحب ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نقاد بھی ہیں۔ سرورؔ صاحب موجودہ دور کے اعلیٰ نقاد ہیں۔ اور ان کی تنقید اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ ان کے لہجہ میں نرمی ،متانت اور سنجیدگی ہے ان کے مضامین کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں تنقیدی اشارے، نئے پرانے چراغ تنقید کیا ہے، ادب ونظریہ بھی شامل ہیں۔ اور ان کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ۱۹۵۵ء میں ''ذوق جنوں'' کے نام سے شائع ہوا۔

سینٹ جانس کالج میں داخلہ کے متعلق سرورؔ صاحب لکھتے ہیں۔

> ''۱۹۲۸ء میں میں نے وکٹوریہ اسکول غازی پور سے ہائی اسکول پاس کیا اور سینٹ جانس کالج آگرہ میں فرسٹ ایئر سائنس میں داخلہ لیا۔ چار سال آگرہ میں گذرے۔ یہاں فانیؔ بدایونی، میکشؔ، حامد حسن قادری سے ملنے کا موقع ملا۔''(۱)

سرورؔ کا شمار کالج کے سنجیدہ طالب علموں میں ہوتا تھا۔ پڑھائی میں تیز ہونے کی وجہ سے اساتذہ بھی ان سے محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ کالج میں ہونے والے ادبی جلسوں میں آپ حصہ لیتے تھے۔ ان جلسوں میں آپ

---

(۱) ذوق جنوں، آل احمد سرور، ۱۹۵۵ء دیباچہ

انعام بھی حاصل کرتے تھے۔ کالج میں ہونے والے۔ مشاعروں اور ادبی محفلوں کے بارے میں خود لکھتے ہیں۔

''کالج میں اکثر ادبی محفلیں اور مشاعرے ہوتے۔ ان میں میں بھی حصہ لیتا۔ سائنس کا طالب علم ہونے کے باوجود ''انجمن ترقی اردو'' کا سکریٹری بھی رہا۔ کالج میگزین میں میرے مضامین، افسانے، نظمیں اور غزلیں بھی طبع ہوئیں۔ اس زمانے میں فانی اور مانی جائسی نے رسالہ تسنیم نکالا اس میں کچھ افسانے لکھے۔''(۱)

سینٹ جانس کالج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''سینٹ جانس کالج میں استادوں اور طالب علموں کے درمیان خاصا قریبی رشتہ تھا''(۲)

کالج کے سبھی استاد سرور صاحب کو پسند کرتے تھے سرور صاحب آگرہ کالج کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے ایک مشاعرے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آگرہ کالج میں ایک بار یگانہ کو بھی سنا ان کے پڑھنے کا انداز بھی بہت دل کش تھا۔ پڑھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا محفل کو اور دنیا کو بھول گئے ہیں۔ ایک استغراق ان پر طاری ہوتا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے بہت سی رباعیات سنائی تھیں۔ ایک اب تک یاد ہے۔

کعبے کے طرف دور سے سجدہ کرلوں
یا دیر کا آخری کا نظارہ کرلوں
کچھ دیر کی مہمان ہے جاتی دنیا
اُٹھ کے اور گنہ کرلو کہ توبہ کرلوں
(۳)

سرور صاحب کی نظم ۱۹۵۸ء میں شفق میں ''دوستوں'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی

---

(۱) ذوق جنوں، آل احمد سرور ۱۹۵۵ء پیش لفظ
(۲) خواب باقی ہیں، ۱۹۹۱ء ص ۴۱
(۳) خواب باقی ہیں، ۱۹۹۱ء ص ۴۲

کالج میگزین میں غزلیں بھی شائع ہوئی۔ سرورؔ صاحب نے انگریزی اور اردو ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ آپ کا تنقیدی شعور کافی وسیع اور گہرا ہے۔

سرورؔ اردو ادب کے ایسے ستارے ہیں کہ جن پر اردو ادب کو ہمیشہ ناز رہے گا اور سینٹ جانس کالج کے ایسے طالب علم ہیں کہ کالج میں خاص طالب علموں میں آپ کا نام لیا جاتا رہے گا۔ اور آل احمد سرورؔ صاحب بھی اس کالج کو آج بھی یاد کرتے ہیں خود کہتے ہیں کہ ''بہت اچھا کالج تھا اس کی اپنی ایک روایت تھی میں اس کو آج بھی یاد کرتا ہوں۔'' جب سے اردو کا شعبہ کالج میں قائم ہوا تب سے اب تک یعنی مولانا حامد حسن قادری صاحب سے لے کر شفیق اشرفی صاحب تک بڑے بڑے ادیب اور شاعر اس کالج سے کسی نہ کسی طرح وابستہ رہے ہیں ان حضرات جن کا ذکر پیچھے کیا گیا ان کے علاوہ پروفیسر رشید احمد صدیقی، شکیل بدایونی، ارادت مارہروی، احسنؔ مارہروی، رازؔ مرادآبادی، احتشام الدین، سیمابؔ اکبرآبادی، میکشؔ اکبرآبادی، جگرؔ مرادآبادی، مولانا عابد حسن صاحب فریدی، ہوش اکبرآبادی، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، صابرؔ اکبرآبادی، اور اسرارؔ اکبرآبادی، کسی نہ کسی طرح سے کالج سے وابستہ رہے ہیں۔

سینٹ جانس کالج کا لہلہاتا ہوا باغ کسی تنہا ایک باغباں کی محنت کا ثمرہ نہیں اس کی آبیاری مختلف اساتذہ و طلباء نے مل کر کی ہے۔ جس میں بہت سے ادیب و شاعر بھی شامل تھے۔ ان سب کا ذکر کرنا تو مناسب نہیں لیکن جو حضرات کالج میں اردو کے لئے ادبی ماحول پیدا کرنے کے لئے کالج سے جس طرح بھی وابستہ رہے کالج ہمیشہ ان حضرات کا خصوصیت سے مشکور و ممنون رہے گا۔

باب چہارم

سینٹ جانس کالج
کی
ادبی خدمات

سینٹ جانس کالج کی ادبی خدمات

سینٹ جانس کالج شمالی ہند کا مشہور ترین کالج ہے یوں تو اس کی بنیاد مغربی تہذیب وتمدن اور انگریزی زبان کو ہندوستان میں پھیلانے کے منصوبے کے تحت ڈالی گئی تھی لیکن آہستہ۔آہستہ ہندوستانی زبانوں کی تعلیم، اس کالج میں دی جانے لگی۔کالج نے ہر شعبہ میں کامیابی حاصل کی اس کامیابی کی دوڑ میں اردو کا شعبہ بھی پیچھے نہیں رہا اردو شعبہ کا ماضی بہت ہی تابناک رہا ہے اس کالج نے ادب کی جو خدمات انجام دی ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔اس کالج کے اساتذہ اور طلباء دونوں ہی نے اردو ادب کی ترقی اور فروغ میں حصہ لیا وہی دوسری طرف یہاں ہونے والے مشاعرے انجمن کے جلسے اور سیمیناروں نے اردو کے لئے کالج میں ادبی فضا پیدا کی اور وقتاً فوقتاً اردو ادب کے مشہور شعراء وادیب نے یہاں آکر طالب علموں کی حوصلہ افزائی کی۔سینٹ جانس کالج کی ادبی خدمات کو پیش کرنے کے لئے میں نے الگ الگ عنوان سے روشنی ڈالی ہے۔

(الف) سینٹ جانس کالج کی انجمن اور اس کے مشاعرے، جلسے اور مباحثے

سینٹ جانس کالج کی ادبی خدمات میں ''انجمن ترقی اردو'' کا نام سب سے پہلے لیا جاسکتا ہے۔اس انجمن نے اردو ادب کی جو خدمت انجام دی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔یہ انجمن کالج میں اس وقت قائم ہوئی جبکہ اردو کا شعبہ بھی قائم نہیں ہوا تھا البتہ کالج کے چند طلباء جو اردو کے اور خاص طور پر اردو شاعری کے دلدادہ تھے ان سبھوں نے مل کر فین تھامس صاحب کی مدد سے ایک انجمن ''انجمن ترقی اردو'' کے نام سے ۱۹۱۱ء میں قائم کی اپنے ابتدائی دنوں سے ہی یہ انجمن کافی مقبول ہوئی لیکن کچھ عرصے کے بعد ہی اس پر جمود طاری ہوگیا اس کی ابتداء کے بارے میں کالج میگزین میں لکھا ہے۔

"Anjuman Traqqi-e-Urdu St. John's clllege Agra.
This society was Original started in the year 1911
with the Object of encouraging the study of Urdu

litrature among the students of the college. It did much useful work in the begining but remained a dead letter for sometime afterwards. It was again revived in 1913 by the late Mr. J. F. Fanthome, who continued to be its President till his dead and always look a keen interest in its welfare. (1)

۱۹۱۳ء سے انجمن برابر ترقی کرتی رہی ابتدائی دنوں میں صرف کالج کے طلباء ہی مشاعروں میں حصہ لیتے تھے۔ البتہ ۱۹۱۵ء میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں چند ضروری تجاویز کے منظور ہونے کے بعد انجمن نے ایک مفید صورت اختیار کر لی اس سے پہلے انجمن کے کوئی خاص اصول وضوابط نہیں تھے اور اس کا حلقہ احباب بھی بہت محدود تھا۔ اس جلسے میں انجمن کے قوانین وضوابط مقرر کئے گئے اور ان قوانین وضوابط کو بروئے کار لانے کے لئے کچھ اصول ومقاصد مقرر کئے گئے جو کالج کی اردو میگزین ''شفق'' میں اس طرح دیئے ہیں۔

۱۔ ہر مہینہ کم از کم ایک مرتبہ جلسہ عام منعقد کرنا۔

۲۔ میمبران کی دلچسپی کے لئے ایک کتب خانہ یا لائبریری قائم کرنا۔

۳۔ کبھی کبھی مشاعرے منعقد کئے جائیں تا کہ ممبران کی دلچسپی اردو شاعری سے قائم رہے۔

۴۔ سالانہ جلسہ کا انعقاد جس میں تحریر اور تقریری مقابلہ ہوں۔

۵۔ ممتاز لوگوں کی تقریریں معاشرتی اور اخلاقی مضامین پر ہوا کریں۔

۶۔ اس کے علاوہ ممبران کو ترغیب دی جائے کہ وہ غیر زبانوں سے اردو میں ترجمہ کریں جس سے تصنیف وتالیف کا شوق پیدا کیا جائے۔(۲)

---

(1) College Magazine 'January" 1915 page 320-19

(۲) شفق، ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۴

ان مقاصد کو عمل میں لانے کے لئے انجمن نے کوششیں شروع کردی۔ ابرار حسین قادری سکریٹری انجمن کی ایک رپورٹ جو کہ انہوں نے ۲۲-۱۹۲۱ء کے سیشن میں شائع کی گئی۔ اس رپورٹ میں انجمن کے ابتدائی دور کا حال دیا تھا لیکن یہ رپورٹ دستیاب نہ ہوسکی۔ البتہ اس رپورٹ کا مختصر حصہ ''شفق'' میں ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا، اس سے پتا چلتا ہے کہ ۱۶-۱۹۱۵ء میں جلسہ عام کی تعداد سات رہی اختتام سال پر مرزا عرفان علی بیگ صاحب کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جس میں مباحثہ کا مقابلہ ہوا اور کامیاب مقررین کو انعامات بھی تقسیم کئے گئے۔ انجمن نے اپنی لائبریری بھی قائم کر رکھی تھی جس میں قریب ۱۴۰ کتابیں تھی ۴۴ کتابیں انجمن نے خود خریدی اور باقی عطیات کی صورت میں انجمن کو حاصل ہوئی۔ ۱۴۰ کتابیں موجودہ دور میں کسی کتب خانے کے مقابلے میں خاص اہمیت نہیں رکھتی ہیں لیکن اب سے ۸۵ سال قبل جب کہ کالج میں اردو کا شعبہ بھی قائم نہیں ہوا تھا ان کتابوں کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ اس زمانے میں انجمن کا قیام عمل میں آنا ہی ایک اہم کوشش تھی اور کتب خانے کا عمل میں آنا تو بہت بڑی بات تھی۔

۱۶-۱۹۱۷ء میں انجمن کا الحاق ''آل انڈیا انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن'' سے کردیا گیا جو کہ انجمن کو مالی امداد بھی دیتی تھی۔ اسی سال ایک ''مجلس ادبیہ'' بھی قائم کی گئی جس کا کام ممبران کے مضامین و تراجم کی اصلاح و تصحیح کرنا تھا اس نے کچھ کتابیں شائع کی جو کہ اب دستیاب نہیں ہیں۔ اسی سال انعامی مضمون نویسی کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ ۱۹۱۹ء تک جاری رہا لیکن مضامین کی تعداد کافی نہ ہونے کے سبب سے یہ مقابلہ ختم ہوگیا۔ اس سال انجمن کے صدر اسیر صاحب اور سکریٹری۔ ابرار حسین صاحب قادری تھے لائبریرین سید رحمت حسین صاحب تھے۔

۱۹۱۸ء میں انجمن نے خاص ترقی کی یہ اقتباس انجمن کے سکریٹری ابرار حسین صاحب قادری ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی رپورٹ کا مختصر حصہ جو کہ شفق میں ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا سے ماخوذ ہے اس رپورٹ کو ابرار صاحب نے ۲۲-۱۹۱۲ء کے سیشن میں میں شائع کیا۔

''۱۸۔ ۱۹۱۷ء میں انجمن کی درخواست پر ابو یوسف، قمر الدین صاحب (مرحوم) نے مسیز نائیڈو کے مجموعہ نظم (بروکن) کے اکثر حصوں کا اردو نظم میں ترجمہ کیا جو رسالہ ''نقیب'' بدایوں میں شائع ہوئیں۔ سید سراج الحسن صاحب سابق سکریٹری انجمن نے ٹیگور کے ''ماہ نو'' کا ترجمہ کیا۔ نیز سید صاحب موصوف نے بیل کی بائگرافکل ڈکشنری کا ترجمہ شروع کیا۔ لیکن قبل اختتام ترجمہ سفر مصر کے لئے روانہ ہوگئے۔ نیز مولوی ابرار الحسن صاحب قادری سابق سکریٹری نے اردو میں منطق جدید پر ایک کتاب تالیف کی جس کو مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری آل انڈیا انجمن ترقی اردو اورنگ آباد رکن نے بہت پسند کیا۔''(۱)

اس طرح انجمن برابر ترقی کی راہوں پر گامزن رہی۔ ۱۹۲۲ء میں انجمن کے صدر مولوی عابد حسین صاحب فریدی فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ سکریٹری ابرار الحسن صاحب اور لائبریرین سید محمد اطہر صاحب تھے۔ اسی سال پہلی مرتبہ کالج کے ہال میں ''انجمن ترقی اردو'' کا پہلا مشاعرہ زیر صدارت مولوی علی احمد خان صاحب اسیرؔ پروفیسر عربی بتاریخ ۲۴ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو منعقد ہوا۔ اس مشاعرے میں آگرہ کے اساتذہ شعرائے کرام میں سے تقریباً سبھی شاعروں نے شرکت کی۔ جس میں مرزا عاشق صاحب بزمؔ آفندی اکبرآبادی، نجمؔ آفندی اکبرآبادی، سلیمان مرزا صاحب، کوکبؔ آفندی اکبرآبادی، جناب رعناؔ صاحب غازی آبادی، جناب بیدلؔ صاحب اکبرآبادی اور صمد یار خاں صاحب چشتی نظامیؔ علیگ نے غزلیں پڑھیں مشاعرے کے سکریٹری مرزا اقرار حسن اخترؔ صاحب تھے۔ اس مشاعرے میں پڑھی گئی غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار جو کہ کالج میگزین ۱۹۲۱ء سے لئے گئے ہیں۔

---

(۱) شفق ''انجمن ترقی اردو کی سالانہ رپورٹ ۱۹۳۳ء ص ۱۳۔۱۴

بزمؔ اکبرآبادی

کسی حسین سے اس کو حجاب رہتا ہے
جبیں تو زرد رخ آفتاب رہتا ہے
تمام ہوگیا دن اب تو بام سے اوترو
فلک پہ شب کو کہا آفتاب رہتا ہے

مرزا اکرار حسن اخترؔ

نقاب شب میں جو وہ محو خواب رہتا ہے
تمام رات غروب آفتاب رہتا ہے
تمہارے واسطے اک کھیل ہے خفا ہونا
مجھے خدا کی قسم اضطراب رہتا ہے

جناب رعناؔ صاحب غازی آبادی

عجیب رنگ میں مست شباب رہتا ہے
کہاں یہ بے خبر انقلاب رہتا ہے
صلائے عشق پہ لبیک کو ہے دل موجود
بغل میں خوب یہ حاضر جواب رہتا ہے

جناب بدرؔی پرساد صاحب

الٰہی خیر قیامت کا سامنا ہوگا
کہاں بزم میں بے نقاب رہتا ہے (۱)

---

(۱)Saint John's College Magazine 1921

غرض یہ کہ انجمن کے مشاعرے اتنے مقبول وعام ہوگئے تھے۔شہر کے اساتذہ وشعرائے کرام بھی ان میں شرکت کرتے تھے اور اپنی غزلیں بھی پڑھتے تھے۔

۱۹۲۲ء میں پھر اسیر صاحب کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ اسی سال کچھ باہر کے شعراء بھی مشاعرے میں شریک ہوئے پروفیسر ماتھر نے ایک میڈل کالج کے بہترین غزل گو طالب علم کے لئے دیا جو کہ سیکریٹری مشاعرہ اقرار صاحب اختر نے حاصل کیا اس مشاعرے میں مولوی احمد علی خاں صاحب اسیر نے بھی غزلیں پڑھی۔ اس طرح کالج انجمن ہر سال کم سے کم ایک مشاعرے کا اہتمام کیا کرتی تھی۔ ان مشاعروں میں طالب علموں کو انعامات بھی دئے جاتے تھے جس سے طلباء میں شعروشاعری کا ذوق پیدا ہونے لگا۔ اور اردو ادب سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔

۱۹۲۷ء میں اردو شعبہ کا قیام عمل میں آیا اور مولانا حامد حسن قادری کے شعبہ میں تشریف لانے سے انجمن میں جان پڑ گئی۔ اور طالب علموں میں بھی شعروشاعری سے زیادہ دلچسپی پیدا ہونے لگی اردو کے پہلے طالب علم مسرت حسین زبیری اور رضی الحسن چشتی صاحب نے انجمن کی ترقی میں خاص کردار ادا کیا یہ دونوں انجمن کے کامیاب سکریٹریوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے مشاعروں اور مباحثوں میں کافی سرگرمی پیدا کردی ۱۹۲۷ء میں انجمن کے صدر کے عہدے پر مولانا حامد حسن قادری مقرر کئے گئے۔ حامد حسن قادری اور عابد حسن صاحب نے کالج میں طلباء کے اندر شعر وشاعری اور اردو ادب کا ذوق پیدا کیا۔ سینٹ جانس کالج کے اردو شعبے کا ابتدائی عہد ان معنوں میں عہد زریں رہا کہ اس کے شروعاتی دور میں ہی اردو ادب کی چند اہم ادبی شخصیات نے یہاں تعلیم حاصل کی۔ ان میں آل احمد سرور، معین حسن جذبی، اسرار الحق مجاز، ہوش اکبر آبادی، غلام ربانی تاباں، عبدالماجد بحیثیت طالب علم تشریف لائے ان حضرات کے آنے سے انجمن کے مشاعروں میں کافی رونق پیدا ہوگئی۔ بقول سرور صاحب سینٹ جانس کالج میں استادوں اور طالب علموں کے درمیان خاصا قریبی رشتہ تھا۔ کالج میں اس دوران مشاعروں کے ساتھ ساتھ علمی مباحثے بھی ہوا کرتے تھے جن میں یہ طالب علم خاص طور پر حصہ لیتے تھے۔ کالج میں انجمن کی بدولت شعروشاعری کی محفلیں گرم رہنے

لگی۔ ۱۹۳۱ء میں ایک مشاعرے میں پہلا انعام مجازؔ کو اور دوسرا آل احمد سرورؔ صاحب نے حاصل کیا اسی دوران نظم کا مقابلہ ہوا جس کا عنوان ''تاج شب ماہ میں'' مقرر کیا گیا۔ اس میں پہلا انعام سرورؔ صاحب کو اور دوسرا انعام اعجازؔ صاحب کو ملا تھا۔ سرورؔ صاحب کے نظم کے چند اشعار اس طرح ہیں۔ جو کہ ''شفق'' سے لئے گئے ہیں۔

نظم ''تاج شب ماہ میں''

غمِ حیات سے بیگانہ ہو چکا تھا میں — فریبِ حسن کے پردوں میں کھو چکا تھا میں
سرور کیف سے انجان تھی میری دنیا — بساط حسرت وارمان تھی میری دنیا
جو میں نے دیکھا وہاں صحن باغ کا منظر — رہے گا دل میں میرے جنت نظر پیکر
میں خواب میں بھی اسے بار بار دیکھوں گا — ہزار بار نہیں لاکھ بار دیکھوں گا

(۱)

اس درمیان انجمن کے مشاعروں میں اردو ادب کے مشہور شعراء حضرت جگرؔ مرادآبادی، احسن مارہروی، جوشؔ ملیح آبادیؔ اور مقامی شاعروں میں میکشؔ اکبرآبادی، سیمابؔ اکبرآبادی، اخضرؔ اکبرآبادی، اکثر صدارت بھی فرمایا کرتے تھے۔ انجمن کے مشاعرے اس زمانے میں اتنے مقبول وعام ہوئے کہ شہر کے لوگ بھی انجمن کے مشاعروں کا انتظار بڑی بے صبری سے کرتے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں کالج میں غلام ربانی تاباںؔ بحیثیت طالب علم تشریف لائے۔ کالج میں تاباںؔ صاحب کے آنے سے کافی رونق رہنے لگی۔ ۱۹۳۳ء میں انجمن کے صدر حامد حسن قادری صاحب، نائب صدر۔ از زمرہ اساتذہ جناب مولوی ولی محمد صاحب ''حضور''، نائب صدر از جماعت طلبہ۔ محمد مجیب اللہ صدیقی بی۔ اے۔ تھے۔ اسی سال ۴ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو بعد نماز مغرب کالج ہال میں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔

اب کالج میں ہر سال سالانہ انعامی مشاعرے ''انجمن ترقی اردو'' کرایا کرتی تھی۔ ۱۰ر فروری ۱۹۳۷ء میں

---

(۱) شفق ۱۹۵۲ صفحہ ۳۳

سالانہ مشاعرہ بصدارت جناب محمد مرتضی صاحب صدیقی 'انکم ٹیکس آفیسر آگرہ' منعقد ہوا۔ مرتضی صاحب خود بھی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ شعر وادب کے قدرداں تھے۔ اس مشاعرے میں حضرت سیماب اکبرآبادی حضرت میکش اکبرآبادی نے شرکت کی۔ اس سال کے شاندار انعامات نے بھی اس مشاعرے کو کامیاب بنایا۔ اس سال کی عظیم شیلڈ سینٹ جانس کالج نے حاصل کی۔ عظیم شیلڈ کے بارے میں ''شفق'' میں لکھا ہے۔

> ''اس کے حاصل کرنے کے لئے یہ شرائط مقرر کی گئی تھیں کہ انجمن کے سالانہ مشاعرہ میں کم سے کم دو کالج مقابلے کے لئے شریک ہوں اور ہر کالج سے دو طالب علم طرحی غزلیں پڑھیں۔ یہ شیلڈ جیتنے والے کالج کے پاس چھ ماہ تک رہے گی اور پھر انجمن کو واپس کردی جائے گی۔ اسی طرح ہر سال انجمن کی طرف سے انعام کے لئے پیش کی جائے گی۔ کسی کالج کی ملکیت نہ ہوگی۔''(۱)

پروفیسر ماتھر کپ :- یہ کالج کا دوسرا مشہور انعام تھا۔ کالج کے اسٹاف میں اساتذہ فارسی واردو کے علاوہ اردو شاعری سے سب سے زیادہ دلچسپی رکھنے والے لوگوں میں پروفیسر کیپٹن ایل۔ایل۔ پی ماتھر تھے یہ کپ ماتھر صاحب کے نام سے منسوب تھا جو کہ کالجوں کے طلباء کی بہترین غزل کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۹۳۷ء کا ماتھر کپ مسٹر عبدالماجد طالب علم سینٹ جانس کالج کو دیا گیا۔ اس سال کا طرزی کپ بھی مسٹر عبدالماجد کو دیا گیا۔

انجمن کپ :- جو طالب علم شیلڈ کے لئے مقابلہ کرتے ان میں جس طالب علم کی غزل بہترین ہوتی اس کو دیا جاتا اس سال کا مسٹر محمد منظور زیدی کو دیا گیا۔

تمغہ طلائی :- اس سال کا تمغہ طلائی انعام مدن بہاری لال سنہا طالب علم سینٹ جانس کالج کو دیا گیا اور تیسرے نمبر کا انعام طالب علم علی خاں کو دیا گیا۔

---

(۱) شفق فروری ۱۹۳۷ء ص۲

تمغہ نقرئی:- اس سال کا تمغہ نقرئی مسٹر غلام ربانی فرچٹ طالب علم آگرہ کالج نے حاصل کیا۔ غلام ربانی تاباںؔ نے بی۔اے۔ سینٹ جانس کالج سے کیا تھا اور بعد میں آگرہ کالج میں تعلیم حاصل کی اس موقع پر مولانا حامد حسن قادری صاحب نے تاریخ پیش کی۔ نذر سودائے عشق تاج کیا۔
۳۶ ۱۹ء

ان انعامات کی تقسیم نے اردو طلباء میں ہی نہیں بلکہ دوسرے شعبہ کے طلباء کے دلوں میں علمی وادبی ذوق کو بڑی حد تک بڑھادیا۔ کالج میں دئے جانے والے انعامات کی فہرست اس طرح ہیں

کالج میں دیئے جانے والے تمغوں کی فہرست

۱	عظیم شیلڈ	کالجوں کے مقابلے میں پہلا انعام پانے والے کالج کے لئے
۲	انجمن کپ	شیلڈ کے لئے مقابلہ کرنے والوں کی بہترین غزل کے لئے
۳	ماتھر کپ	باقی تمام طالب علموں کی بہترین غزل کے لئے
۴	تمغہ طلائی	دوسرے نمبر کی غزل کے لئے
۵	تمغہ طلائی	تیسرے نمبر کی غزل کے لئے
۶	طرزی کپ	جناب طرزی سکندرآبادی کی پسندیدہ غزل کے لئے
۷	تمغہ نقرئی	پروفیسر مولانا عابد حسین فریدی کی پسندیدہ ہزل کے لئے
۸	اسکولوں کا پہلا انعامی کپ	شہرآگرہ اور بیرون آگرہ کے اسکولوں کے طلباء کی بہترین غزل کے لئے
۹	اسکولوں کا دوسرا انعامی کپ	اسکولوں کے دوسرے نمبر کی غزل کے لئے
۱۰	چاندی کے قلمدان (یعنی نقرئی تھالی، نقرئی قلم، نقرئی دوات)	فی البدیہہ مقابلہ غزل گوئی میں بہترین غزل کے لئے

۱۹۳۸ء میں انجمن ترقی اردو نے جب مشاعرے کا انعقاد کیا تو انعامی مقابلے کو صوبجات کی دیگر یونیورسٹیوں اور کالجوں کے لئے عام کر دیا اس مقابلے میں مقامی اور بیرونی کالجوں نے حصہ لیا لیکن بیرونی کالجوں نے کم تعداد میں حصہ لیا جس کی وجہ ''شفق'' میں یہ لکھی ہے ''بیرونی کالجوں کی نیابت بہت کم ہوسکی جس کا ایک دلچسپ سبب یہ معلوم ہوا کہ ۵ر فروری شنبہ روز بسنت (۸ بجے شب) جو ہم نے اپنے مشاعرے کے لئے متعین ومشتہر کیا تھا خاص اسی تاریخ اسی وقت الہ آباد، کانپور وغیرہ مقامات پر مشاعرے منعقد تھے۔

اشعار میں ہوئے ہیں تو اردو قدیم سے
اتنے کہ آسکیں نہ شمار وحساب میں
لیکن مشاعروں کا توارد سنا نہ تھا
یہ بات بھی ہے لکھنے کی قابل کتاب میں
(۱)

اس مشاعرے میں مسلم یونیورسٹی سے مولانا حسن مارہروی اپنے دو طلباء ساجد علی خاں رازؔ مرادآبادی اور شکیل بدایونی کو شرکت مقابلہ کے لئے اپنے ہمراہ لائے۔ بیرونی شعراء کرام میں مولانا محمد عظیم برحینا (جن کے نام سے انجمن کا قیمتی انعام عظیم شیلڈ منسوب ہے) جناب ارشدی بدایونی، جناب اسرارالحق صاحب مجازؔ، جناب معین احسن جذبی صاحب نے شرکت فرمائی اور مقامی مشاہیر شعراء میں سے سیمابؔ اکبرآبادی، حضرت میکشؔ اکبرآبادی، حضرت رعناؔ اکبرآبادی نے شرکت فرمائی اور مشاعرے کی رونق میں چار چاند لگا دیئے اس سال انعامات کی تعداد میں اور اضافہ ہوگیا گیا۔ اسکولوں کا پہلا انعامی کپ اور اسکولوں کا دوسرا انعامی کپ بڑھا دئے گئے۔ عظیم شیلڈ کے مقابلے کے لئے مصرع طرح یہ تھا۔

''گرد اب کے ہرتہ میں ساحل نظر آتا ہے''

---

(۱) شفق مارچ ۱۹۳۸ء ص ۴

اس سال کی عظیم شیلڈ مسلم یونیورسٹی نے حاصل کی شعرائے شیلڈ کا انعام ساجد علی خاں رازؔ طالب علم مسلم یونیورسٹی نے حاصل کیا۔ شعرائے کالج کا پہلا انعام ''انجمن ترقی اردو'' کے سکریٹری جناب ایم۔ زائر رضوی نے حاصل کیا۔ اور شعرائے کالج کا دوسرا انعام جناب افتخار الدین شوقؔ اکبرآبادی متعلم سینٹ جانس کالج نے حاصل کیا۔ اسکولوں کے مقابلے میں حصہ لینے والے اسکولوں کے نام سینٹ جانس ہائی اسکول، گورمنٹ ہائی اسکول، شعیب محمدیہ ہائی اسکول، وکٹوریہ ہائی اسکول، مفید عام ہائی اسکول ہیں۔ ان اسکولوں کے طلباء نے کثیر التعداد میں مشاعرے میں حصہ لیا۔ اسکولوں کے مقابلہ کا پہلا انعام اور دوسرا انعام جناب نذر الدین غنچہؔ طالب علم نارمل اسکول آگرہ، اور خالد حسن قادری طالب علم وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ نے حاصل کیا تھا۔ مشاعرے میں جو کلام پڑھا گیا اس کے چند اشعار مثال کے طور پر پیش ہیں۔ جو ''شفق'' سے اخذ کئے گئے ہیں۔

جناب ساجد علی خاں متعلم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

پوشیدہ رگ وپے میں قاتل نظر آتا ہے　　جو سانس بھی لیتا ہوں بسمل نظر آتا ہے
مانوس غم جاناں جو دل نظر آتا ہے　　دنیائے محبت کا حاصل نظر آتا ہے

جناب ایم زائر رضوی متعلم سینٹ جانس کالج

جذبات کی موجوں میں بہ جاؤں گا خون بن کر　　یہ جوشش گریہ کا حاصل نظر آتا ہے
کرتا ہے طواف اکثر اٹھ اٹھ کے جو تو زائرؔ　　کعبہ نظر آتا ہے، یا دل نظر آتا ہے

جناب نذیر الدین غنچہ طالب علم نارمل اسکول آگرہ

بیباک نگاہوں پر مائل نظر آتا ہے　　اب دل بھی مجھے اپنا قاتل نظر آتا ہے

---

(۱) میکش اکبرآبادی　　۱۹۸۸　　ص ۵۵

خالد حسن قادری

یہ آنکھ کی پتلی میں جو تل نظر آتا ہے لیلائے تصور کا محمل نظر آتا ہے

فضل الدین اثر وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ

یہ جذب محبت کا حاصل نظر آتا ہے جلوہ تھا جہاں پیدا اب دل نظر آتا ہے

جناب افضال احمد خاں آگرہ کالج

دل سے تیرا غم جانا مشکل نظر آتا ہے دل غم نظر آتا ہے غم دل نظر آتا ہے

سید مظہر حسن داغ سینٹ جانس کالج آگرہ

اب دل ہی تجلی کا محمل نظر آتا ہے احساس یقین بن کر منزل نظر آتا ہے

ناکامی الفت نے آسان کو بھلا ڈالا جو کچھ نظر آتا ہے مشکل نظر آتا ہے

عبدالماجد سینٹ جانس کالج آگرہ

جو نقش ہے ہستی کا باطل نظر آتا ہے اپنا بھی نظر آنا مشکل نظر آتا ہے

میخانہ ہستی میں بیگانہ ہستی بن غافل وہ نہیں جو یاں غافل نظر آتا ہے

رگھبیر نارائن ماتھر سینٹ جانس کالج

ہر جنبش ابرو میں قاتل نظر آتا ہے محفل میں جسے دیکھو بسمل نظر آتا ہے

(۱)

اس طرح انجمن کے مشاعروں میں بہت بڑی تعداد میں طالب علم حصہ لیتے تھے اور مسلم طالب علموں کے علاوہ

---

(۱) شفق ۱۹۳۸ء ص ۱۲-۱۴

ہندو طالب بھی ان میں دلچسپی رکھتے تھے اور حصہ لیتے تھے۔ان دونوں کالج کا ادبی ماحول اپنے عروج پر تھا انجمن نے کافی ترقی کر لی تھی۔انعامی مشاعرہ تو کالج میں ہوتا ہی تھا لیکن ۱۹۳۹ء میں ایک فی البدیہہ مقابلہ غزل گوئی کا شروع کیا گیا۔یہ مقابلہ صرف طلباء کے لئے کالجوں اور اسکولوں کا اجتماعی مقابلہ تھا اس مقابلے میں چھوٹے بڑے طلباء میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا تھا۔ایک گھنٹہ میں سات سے گیارہ اشعار تک کی غزل امتحان گاہ میں بیٹھ کر لکھنا ہوتی تھی اور مقابلہ میں اشعار سے زیادہ شاعرانہ محاسن پر نظر رکھی جاتی تھی۔اس مقابلہ کے متعلق پروفیسر مغیث الدین فریدی صاحب فرماتے ہیں۔

''طالب علموں کی ہمت افزائی کے لئے آگرہ کالج اور سینٹ جانس کالج آگرہ میں ہر سال غزل گوئی کے انعامی مقابلے ہوا کرتے تھے۔ان انعامی مقابلوں میں ایک دلچسپ اضافہ مولانا حامد حسن قادری صاحب نے یہ کیا تھا کہ سینٹ جانس کالج کے سالانہ مشاعرہ کے دو دن قبل ایک فی البدیہہ مقابلہ غزل گوئی ہوتا تھا۔اس میں شریک ہونے والے طالب علم شعراء ایک نیم دائرہ کے شکل میں کرسیوں پر بیٹھتے تھے ان کے سامنے ایک میز پر ایک ٹائم پیس رکھ دی جاتی تھی۔قادری صاحب ٹھیک ۳ بجے مصرع طرح کا اعلان کرتے تھے اور آدھ گھنٹہ کے بعد یہے ہدایت کرتے تھے کہ مقابلہ کا وقت ختم ہوا۔اس کے بعد آدھ گھنٹہ کا وقت اور ملتا تھا جس میں ہر شاعر اپنے اشعار پر نظر ثانی کر کے دوسرے کاغذ پر صاف لکھ کر قادری صاحب کے حوالے کر دیتا تھا۔قادری صاحب ان غزلوں کو حضرت میکش اکبر آبادی اور حضرت سیماب اکبر آبادی کے پاس بھیجتے تھے۔پہلے اور دوسرے انعام کی غزلوں کا انتخاب ان حضرات کے متفقہ فیصلوں سے ہوتا تھا۔کالج کے سالانہ مشاعرہ میں انعامات تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔''(۱)

---

(۱) کتاب نما کا خصوصی شمارہ،مغیث الدین فریدی شخصیت اور ادبی خدمات،ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۰۔۹

۲۷ر جنوری ۱۹۳۹ء کو ہیلی بری ہاؤس میں فی البدیہہ غزل گوئی کا مقابلہ ہوا مصرع طرح یہ تھا۔

''دیکھنے والے سے کہ دوا بھی دیکھا کیا ہے'' قافیہ ''دیکھا''

اس مقابلہ میں کرسچین ہائی اسکول فرخ آباد نے بھی شرکت کی۔ آگرہ کالج کے وجاہت حسین شفقؔ، افتخار الدین شوقؔ، طالب علی خاں، عبدالماجد نے بحیثیت طالب علم شرکت کی۔ مقامی اسکولوں و کالجوں نے بھی شرکت کی۔ جناب مغیث الدین فریدی (جو کہ اس وقت درجہ نہم وکٹوریہ ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔) نے بھی حصہ لیا۔ اس مقابلہ کا فیصلہ کرنے والوں میں حضرت مولانا سید محمد علی شاہ یعنی میکشؔ اکبرآبادی، مولانا عابد حسن صاحب فریدیؔ (ایم اے پروفیسر فارسی سینٹ جانس کالج)، جناب طاہر فاروقی اور مولانا حامد حسن قادری تھے اس مقابلہ کا پہلا انعام سید علی مہدی دورؔ طالب علم کرسچین ہائی اسکول فرخ آباد نے حاصل کیا اور دوسرا انعام سید اختر جیسی ہاشمی طالب علم سینٹ جانس کالج نے حاصل کیا یہ دونوں انعام چاندی کے قلمدان تھے۔ (یعنی نقرئی تھالی، نقرئی قلم، نقرئی دوات) بہر حال کالج میں یہ مشاعرہ نئے رنگ کا مشاعرہ تھا اور اس نے کافی شہرت حاصل کی۔

اسی سال ۱۹۳۹ء میں ہی ۲۸ر جنوری کو انجمن کا سالانہ انعامی مشاعرہ بھی ہوا۔ اسی مشاعرے کی یہ خصوصیت تھی کہ حضرت میکشؔ اکبرآبادی نے اس کی صدارت فرمائی۔ بیرون آگرہ سے حضرت مولانا قمر الحسن صاحب قمرؔ بدایونی اور جناب محبوب الحسن صاحب ارشدیؔ بدایونی انجمن کی دعوت پر تشریف لائے اس سال بھی بیرون آگرہ کے کالجوں، آگرہ کے کالجوں اور آگرہ کے اسکولوں کے طالب علموں نے کثرت سے حصہ لیا۔ عظیم شیلڈ ایک بار پھر مسلم یونیورسٹی نے جیتی۔ انجمن کپ، ساجد علی خاں رازؔ مرادآبادی متعلم مسلم یونیورسٹی نے حاصل کی۔ تمغہ طلائی سرفراز حسین مسلم یونیورسٹی اور زاہد حسن فریدی سینٹ جانس کالج نے حاصل کیا۔ اسکولوں کے مقابلے کا پہلا انعام خالد حسن قادری متعلم وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ اور دوسرا انعام سید ظہیر محمد یہ ہائی اسکول آگرہ نے حاصل کیا۔ فی البدیہہ مشاعرے میں پڑھی گئی غزلوں کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

فضل الدین آثر ایم۔اے۔لکچرار سینٹ جانس کالج

شوق کہتے ہیں کسے؟ حاصل جلوہ کیا ہے　　کوئی اس دل کو یہ سمجھائے تمنا کیا ہے
سر بہ سجدہ ہوں مگر روح کی خلوت ہی خموش　　ایک دھوکا ہے حقیقت میں یہ سجدہ کیا ہے

سید علی مہدی دور متعلم ہائی اسکول فرخ آباد (انعامی غزل نمبر اول)

جس جگہ بیٹھے وہیں چھیڑ دیا قصہ غم　　واہ اس بیخودی شوق کا کہنا کیا ہے
پتلیاں پھر گئیں للہ اٹھا اب تو نقاب　　بدگماں اب تیرے بیمار میں رکھا کیا ہے

سید اختر حسین ہاشمی متعلم سینٹ جانس کالج

چاہتا ہے رہے حیران تیرے جلوؤں سے　　اور اس آئینہ دل کی تمنا کیا ہے

''انجمن ترقی اردو'' کے سالانہ انعامی مشاعرے میں پڑھی جانے والی غزلوں کے چند اشعار اس طرح ہیں۔ اشعار کالج میگزین سے اخذ کئے گئے ہیں۔

ساجد علی خاں رازؔ مرادآبادی متعلم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

چہرہ بھی ہے اداس اداس آنکھ میں اشک تر بھی ہے　　اپنا جو حال تھا کبھی آج وہ رنگ ادھر بھی ہے
حسن کی بے نیازیاں شکوؤں سے اور بڑھ گئیں　　اے دل غیرت آزماں، نالوں میں کچھ اثر بھی ہے

شکیلؔ احمد بدایونی متعلم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سامنے ہے صنم کدہ، سوئے حرم نظر بھی ہے　　ذوق سجود مرحبا سر بھی ہے، سنگ در بھی ہے

سید سرفراز علی حسین متعلم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہجر کی خواہشیں بھی ہیں وصل کا درد سر بھی ہے　　مجھ کو تیرے خیال میں چین کوئی پہر بھی ہے
حسن ہے جان عشق کی، عشق ہے کائنات دل　　دل کو جہان حسن میں عشق سے کیا مفر بھی ہے

زاہد حسن فریدی ذوقؔ متعلم سینٹ جانس کالج آگرہ

عشق سکون دل بھی ہے، عشق جنون بھی ہے　　آپ ہی رختہ گر بھی ہے آپ ہی بخیہ گر بھی ہے
ٹھوکریں کھا کے عشق میں ہوتی ہیں منزلیں تمام　　ہے یہی سنگ راہ بھی اور یہی راہبر بھی ہے

خالد حسن قادری متعلم وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ

مقابلہ اسکول کی انعامی غزل نمبر اول

آج تو نبض دیکھ کر، چپ میرا چارہ گر بھی ہے　　اب مجھے کیا جہان میں، شب کی اگر سحر بھی ہے
جوشِ جنوں ابھی ہے خام ذوقِ طلب ہے ناتمام　　آہ فغاں کے ساتھ دل منتظرِ اثر بھی ہے

(۱)

اس طرح کالج کے مشاعرے بہت مقبول عام ہوئے اور جن سے کالج کی فضا میں ادبی رنگ پیدا ہو چکا تھا۔ کالج کے مشاعرے آگرہ میں ہی نہیں آگرہ سے باہر بھی شہرت حاصل کر رہے تھے۔ اس طرح ۱۹۴۰ء میں ۲ر فروری کے سالانہ مشاعرے میں بیرونی درس گاہوں نے کثرت سے حصہ لیا اس سال مقابلہ کے لئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، میرٹھ کالج، اسلامیہ کالج امرتسر، سٹی ہائی اسکول علی گڑھ نے شرکت کی اس سال قریب ۱۳ درس گاہوں نے مقابلے میں حصہ لیا۔ مقابلے میں فیصلہ کرنے والے شخصیات میں عابد حسن فریدیؔ، پروفیسر طاہر فاروقی، کیپٹن ایل۔ پی۔ ماتھر تھے۔ عظیم شیلڈ اس بار پھر مسلم یونیورسٹی نے حاصل کی اور ماتھر کپ سید صفدر حسن زیدی متعلم ''میرٹھ کالج'' نے حاصل کیا۔ اور غزل نمبر دو کا انعام شکیلؔ احمد بدایونی متعلم مسلم یونیورسٹی نے حاصل کیا۔ کالجوں کے مقابلے کی غزل نمبر اول

---

(۱) شفق　　۱۹۳۹ء　　ص ۷-۱۵

کا انعام شاکر حسین مسلم یونیورسٹی اور دوسرا انعام زاہد حسن فریدی طالب علم سینٹ جانس کالج نے حاصل کیا۔ اس سال ''انجمن ترقی اردو'' نے کالجوں کے لئے نظم کا بھی اعلان کیا تھا اور اس کا موضوع ''انجام بہار'' رکھا گیا تھا۔ نظم کا پہلا انعام سید صفدر حسین زیدی اور دوسرا انعام پیرزادہ ظہیر متعلم اسلامیہ کالج امرتسر نے حاصل کیا۔ کالج کے ایک پرانے طالب علم جناب جے۔ این۔ کول نے شکیل بدایونی کی غزل پر پانچ روپیہ کا انعام دیا۔ مشاعرے میں ملنے والے انعامات نے شعروشاعری کے لئے طالب علموں میں دلچسپی پیدا کردی۔ ان مشاعروں میں مسلم یونیورسٹی اکثر حصہ لیتی تھی۔ اسی طرح انجمن ترقی اردو انعامی مشاعروں کا انعقاد کرایا کرتی تھی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۳ء تک کا پہلا انعام مغیث الدین صاحب نے حاصل کیا اور ۱۹۴۳ء میں کل ہند سیمینار میں بھی فریدی صاحب نے انعام حاصل کیا لیکن عظیم شیلڈ کا انعام ۱۹۴۱ء میں بند کردیا گیا جو کہ مشاعرے کا مشہور انعام تھا۔ ان مشاعروں میں دور دور سے طالب علم شرکت کے لئے آتے تھے۔ عظیم شیلڈ کا انعام مسلم یونیورسٹی نے ۳ بار حاصل کیا۔ ۱۹۴۱ء میں یہ شیلڈ مسلم یونیورسٹی نے حاصل کرلی اس سال یونیورسٹی کی نمایندگی کیلاش بہاری رواں صاحب نے کی۔ کالج کے اردو شعبہ کا ابتدائی دور تابناک رہا شاعری کا ذوق اس قدر تھا کہ جب طالب علم کہیں بھی گھومنے جاتے یا کالج میں یکجا ہوکر بیٹھتے شعروشاعری کا بازار گرم رہتا ایک بار ۱۹۳۰ء کا ذکر کرتے ہوئے آل احمد سرور صاحب لکھتے ہیں۔

''اس سال ہوسٹل کے طلباء پکنک پر فتح پور گئے۔ اکبر کے محل میں مشاعرہ بھی ہوا۔ مجاز کی غزل بہت پسند کی گئی تھی جس کا ایک شعر اب تک یاد ہے۔''

تمہیں تو ہو جسے کہتی ہے ناخدا دنیا
بچا سکو تو بچا لو ڈوبتا ہوں میں

اس غزل کا مطلع اس وقت یہ تھا

کمال عشق ہے دیوانہ ہوگیا ہوں میں
یہ کس کو دیکھتا ہوں اور ہنس رہا ہوں میں

مجاز نے بعد میں دوسرا مصرع بدل دیا

یہ کس کے ہاتھ سے دامن چھڑا رہا ہوں میں
(۱)

اس بات سے یہ تو ظاہر ہوتا ہی ہے کہ مجاز اپنے تعلیمی دور میں مقبول خاص وعام ہوگئے تھے۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کالج میں شعروشاعری کا چرچہ بھی کافی رہتا تھا حتیٰ کہ پکنک میں بھی طالب علم کوئی کھیل کھیلنے یا تفریح کرنے کے بجائے مشاعرے کرنا پسند کرتے تھے۔بقول جذبی صاحب ''ہر وقت صرف ایک ہی کام تھا شعروشاعری اور تفریح''

۱۹۴۷ء میں آزادی ہند کے بعد ملک تقسیم ہوگیا۔پورے ہندوستان سے لوگ پاکستان جانے لگے یہ دور بڑا پر آشوب تھا آگرہ سے پاکستان جانے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا جس سے اردو پڑھنے والوں کی تعداد کم ہوگئی جس کا اثر کالج کے ادبی جلسوں اور مشاعروں پر بھی پڑا ایک عرصے کے لئے ''انجمن ترقی اردو'' پر جمود طاری رہا رفتہ رفتہ حالات معمول پر آنے لگے اور کالج کی ''انجمن ترقی اردو'' کی ادبی سرگرمی شروع ہوگئی۔۲ رمئی ۱۹۵۲ء کو ''انجمن ترقی اردو'' سینٹ جانس کالج نے ایک جلسے کا اہتمام کیا۔اس سال پروفیسر حامد حسن قادری ۲۵ سال تک کالج اور انجمن کی شاندار خدمات کے بعد اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئے۔یہ جلسہ قادری صاحب کے اعزاز میں دیا گیا۔اس جلسے کا ذکر کرتے ہوئے مغیث الدین فریدی صاحب کہتے ہیں۔

''مولانا حامد حسن قادری صاحب کے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد شعبہ اردو سینٹ جانس کالج سے جو الوداعی جلسہ کیا گیا اس میں مقامی اُدبا اور شعراء کے علاوہ شعبہ

---

(۱)''خواب باقی ہیں'' آل احمد سرور ۱۹۹۱ء ص ۴۴

اردو علی گڑھ سے مسعود حسین خاں، سید ظہیر الدین علوی، ڈاکٹر محمد حسن اور خلیل الرحمٰن اعظمی نے شرکت کی۔ اس جلسے میں ان تمام حضرات نے حامد حسن قادری صاحب کی ادبی خدمات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی ان کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کے کارناموں کی عظمت اور اہمیت کا اعتراف کیا۔''(۱)

انجمن کے اس جلسے کی صدارت پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے کی اس جلسے میں آگرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مہاجن صاحب نے مولانا قادری صاحب کی خدمات کا اعتراف کیا اور ان کے احساس فرض اور علمی بصیرت کی تعریف کی۔ اس موقع پر کالج کے دوسرے شعبے کے اساتذۂ کرام نے بھی قادری صاحب کی خدمت کا اعتراف کیا۔ اسی سال کوئی مشاعرہ نہیں ہوا۔ مولانا حامد حسن قادری جب تک کالج میں رہے انجمن کے صدر رہے اور انہوں نے انجمن کی ترقی کے لئے مشاعروں اور مباحثوں کے مقابلے کی روایت کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

جنوری ۱۹۵۷ء انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام حضرت جگر مرادی آبادی کے اعزاز میں کالج میں ایک جلسہ کیا گیا۔ اس جلسے میں پروفیسر مغیث الدین فریدی نے جگر مرادآبادی کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ اس جلسہ میں حضرت جگر مرادآبادی کے علاوہ میکشؔ اکبرآبادی جناب ہلال رامپوری، جناب باغؔ اکبرآبادی، جناب ہوشؔ اکبر آبادی جناب حکیم عشرتؔ اکبرآبادی، جناب آفتاب ڈونڈیا صاحب، جناب صہباؔ اکبرآبادی، جناب ارادت مارہروی، جناب تابشؔ اکبرآبادی، جناب معینؔ فریدی فتح پوری، جناب اصغرؔ اکبرآبادی، جناب سبحان احمد راہیؔ، جناب محمد نسیم، چمن اکبرآبادی اور جناب اسرار حسین اکبرآبادی جیسے شعراء کرام نے شرکت فرمائی۔ مغیث الدین فریدی اس جلسے کے بارے میں اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں۔

''دوسرا جلسہ جگر مرادآبادی کے اعزاز میں ہوا۔ اس جلسے کی خصوصیات یہ تھی کہ جلسہ کی

---

(۱) کتاب نما کا خصوصی شمارہ مغیث الدین فریدی شخصیت اور ادبی خدمات، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۱۲

صدارت حضرت میکشؔ اکبر آبادی نے فرمائی جگر صاحب کی خدمت میں شعبہ اردو کی جانب سے سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد جگر مرادآبادی صاحب نے دو غزلیں والہانہ انداز میں پیش کیں اور جلسہ ختم ہوگیا۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ مشاعرہ کیوں نہیں ہوا۔''(۱)

اب کالج میں مشاعرے کبھی کبھی ہی ہوا کرتے تھے کالج میں جلسے اور مباحثے برائے نام رہ گئے تھے۔ جہاں ایک زمانے میں اس کالج کے ادبی جلسے اور مشاعرے طالب علموں کے ادبی ذوق کو نکھارتے اور شوق شعر گوئی کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوئے۔ اس زمانے میں کالج کے ادبی جلسے اور مشاعرے کم ہوتے چلے گئے اور شعبہ میں طالب علموں کی تعداد دن بہ دن کم ہوتی چلی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ کالج میں ۱۹۶۲ء میں اردو کا شعبہ ختم ہوگیا اور ۳۵ سال سے کالج میں اردو شعبہ نے جو ادبی فضا پیدا کی تھی اس پر جمود طاری ہوگیا۔

(ب) کالج کے سیمینار

سینٹ جانس کالج میں سیمینار کرانے کا سہرا ڈاکٹر علی احمد فاطمی کو جاتا ہے ۱۹۸۰ء میں کالج میں باقاعدہ شعبہ کا دوبارہ آغاز ہوا تو علی احمد فاطمی صاحب نے کالج میں علمی ہی نہیں بلکہ ادبی فضا پیدا کرنے میں کافی جدوجہد کی۔ فاطمی صاحب جو کہ اس کالج کے تابناک ماضی سے واقف تھے انہوں نے طالب علموں میں ادبی ذوق پیدا کیا ''شفق'' میں فاطمی صاحب کے متعلق لکھا ہے۔

''ڈاکٹر فاطمی اردو کے پس منظر میں مجازؔ، جذبیؔ اور تاباںؔ کے توسط سے اس کالج کی ادبی وتہذیبی قدر ومنزلت سے واقف تھے۔ آتے ہی انہوں نے اپنی اسپرٹ کو کالج کی اسپرٹ سے جوڑ دیا بلکہ شعبہ اردو کو نئی زندگی دینے اور اس کو متحرک کرنے میں لگ گئے۔ ان کے

---

(۱) کتاب نما کا خصوصی شمارہ، مغیث الدین فریدی شخصیت اور ادبی خدمات، ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۲

سامنے دو بڑے کام تھے۔ ہم طالب علموں کو زیادہ سے زیادہ آسانی پہنچانا۔ ادبی ذوق پیدا
کرنا اور شعبہ اردو کو مستحکم کرنا اور اسے مستقل شکل وصورت دینا۔'' (۱)

فاطمی صاحب نے یہ دونوں ہی کام بخوبی انجام دیئے جہاں ایک طرف فاطمی صاحب نے کالج میں ''اردو ایسو سی ایشن'' کی بنیاد ڈالی وہی دوسری طرف کالج میں مشاعرے بھی کرائے۔ ۱ر نومبر ۱۹۸۱ء کو بڑے تزک واحتشام کے ساتھ اس بزم کا افتتاحی جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں جناب تصور حسین زیدی صاحب صدارت فرمائی اسی دن مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا اس مشاعرے میں حضرت میکش اکبر آبادی، جناب معین احسن جذبی صاحب، جناب وامق جونپوری، جناب وحید اختر صاحب، شہاب جعفری صاحب، نذیر نیازی صاحب، ہلال رام پوری، سردار رام پوری نے شرکت کی۔ دوسرے علی احمد فاطمی صاحب نے اردو سرٹیفکٹ کورس کا آغاز کیا اور طالب علموں میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے سیمینار کا سلسلہ شروع کیا۔ علی احمد فاطمی صاحب نے سب سے پہلے سیمینار آگرہ کی ادبی شخصیات، نظیر اکبر آبادی اور سیماب اکبر آبادی پر کرائے۔ ۱۹۸۱ء میں نظیر اآبادی پر سیمینار کیا گیا اس سیمینار میں بھی آگرہ کے ہی نہیں باہر کے ادیب وشعراء نے بھی شرکت کی۔ ۱۹۸۲ء میں سیماب اکبر آبادی پر سیمینار کیا گیا۔ ان سیمیناروں کے ہونے سے کالج میں علمی اور ادبی فضا پیدا کردی اس کے بعد سیمینار کا سلسلہ ایک بار پھر ختم ہوگیا۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۱ء کے درمیان کوئی سیمینار نہیں ہوا۔ ۱۹۹۲ء میں کالج میں سید شفیق اشرفی صاحب کے آنے پر سیمینار کی طرف توجہ دی گئی اور ۵ر اپریل ۱۹۹۲ء کو میکش اکبر آبادی پر کل ہند سیمینار منعقد کیا گیا۔ سیمینار کے ساتھ ساتھ مشاعرہ بھی ہوا۔ اس سیمینار میں کالج کے دوسرے شعبہ کے اساتذہ نے کثرت سے شرکت فرمائی اور مقامی اساتذۂ کرام میں مرزا شمیم بیگ، اجمل علی شاہ (میکش اکبر آبادی کے پوتے) حاجی محمد اقبال، نسرین بیگم، شبانہ وہاب، ڈاکٹر ایس۔ اے۔ صدیقی نے شرکت فرما کر سیمینار کو کامیاب بنایا ان کے علاوہ کچھ مشہور شعراء اور ادیب نے بھی پروفیسر سید محمد عقیل رضوی، پروفیسر محمود الحسن، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، ڈاکٹر سیمہ رضوی، پروفیسر عنوان چشتی، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر مرتضی کریم، سراج اجملی، ڈاکٹر

(۱) شفق، اردو ایسوسی ایشن کی سالانہ رپورٹ، ۱۹۸۱ء ص ۱۷

خالد اشرف نے بھی شرکت فرمائی۔اس سیمیار کا مجلّہ جو مجھے حاصل ہوا اسکو مرتب ڈاکٹر سید شفیق اشرفی صاحب نے کیا۔

اس میں ''میکشؔ اکبرآبادی کی کہانی میکشؔ کی زبانی'' کے عنوان سے ایک مضمون بھی ہے اس کے علاوہ میکشؔ اکبرآبادی کی شخصیات اور فن پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔میکشؔ اکبرآبادی کے بارے میں اردو ادب کے چند مشہور ادیب وشعراء کرام کے تأثرات بھی دیئے ہیں۔جس میں نیازؔ فتح پوری، حامد حسن قادری، علامہ اثر لکھنوی، آل احمد سرورؔ پروفیسر عنوان چشتی، مخمورؔ اکبرآبادی قابل ذکر ہیں۔مختصر یہ کہ اس مجلّے میں میکشؔ اکبرآبادی کی ادبی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے بعد شفیق صاحب نے پریم چند فن وشخصیت پر اور غالب فن وشخصیت پر سیمینار کرائے۔ ۲۵/اپریل ۱۹۹۵ء میں زیر اہتمام شعبہ اردو کی جانب سے شفیق صاحب نے اردو ادب کی مشہور شخصیت لطیف الدین احم یعنی ل۔احمد اکبرآبادی پر سیمینار کرایا۔ل۔احمد اکبرآبادی آگرہ کی مشہور ترین ادبی شخصیت تھے جن کے پانچ افسانوی مجموعے ''انشائے لطیف''، ''زندگی کے کھیل''، ''صبح وشام''، ''ملاحظات نقشی'' اور ''رنگ وبو'' شائع ہو چکے ہیں۔اس سیمینار میں جن حضرات نے مقالات پڑھے ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں۔پروفیسر عقیل رضوی، پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر ملک زادہ منظورؔ احمد، پروفیسر محمود الحسن، ڈاکٹر خالد علوی، ڈاکٹر سراج اجملیؔ اور ڈاکٹر ارتضی کریم ان حضرات نے ل۔احمد اکبرآبادی کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے فن پر روشنی ڈالی۔ڈاکٹر شفیق اشرفی زیر اہتمام شعبہ اردو کی جانب سے مجلّہ بھی شائع ہوا۔اس مجلّہ میں ڈاکٹر سیمہ رضوی کا مضمون ''ل۔احمد اکبرآبادی اور انشائے لطیف''، مہادیو نارائن ٹنڈن (سوتنتر اسینانی) کا مضمون ''آگرہ کی ملی جلی سنسکرتی کے ایک رتن''، جلیلؔ اکبرآبادی کا مضمون ''نازش ارض تاج''، اور علی احمد فاطمی صاحب کا مضمون ''رومانی اشتراکیت کا افسانہ نگار'' ل۔احمد اکبرآبادی شائع ہوئے۔ڈاکٹر علی احمد فاطمی صاحب کا مضمون کافی طویل ہے فاطمی صاحب نے ل۔احمد کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ادب میں انکے مرتبہ کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اس طرح کے سیمینار منعقد کرانا شعبہ اردو کا قابل

داد قدم ہے اس سے نہ صرف طالب علموں میں ادبی دلچسپی پیدا ہوگی بلکہ وہ اردو ادب کی اہم شخصیات سے بھی واقف ہو جائیں گے۔ شعبہ اردو نے ۱۹۹۶ء میں میرؔ فن و شخصیت پر بھی سیمینار کرایا۔ ۲۰۰۱ء میں شعبہ اردو نے ایک بار پھر غالب فن و شخصیت پر سیمینار کرایا اس کے ساتھ ساتھ مشاعرہ بھی ہوا۔ سیمینار میں مقامی حضرات کے ساتھ مقامی اساتذہ نے بھی شرکت کی اور طالب علموں نے بھی اس میں جس حسن و ذوق اور سنجیدگی سے حصہ لیا قابل داد ہے۔

مختصر یہ ہے کہ علی احمد فاطمی صاحب نے جو سیمینار کا سلسلہ جاری کیا وہ ایک بار پھر سے ۱۹۹۲ء سے جاری ہے۔ شعبہ اردو سینٹ جانس کالج نے اکبر آباد کی تقریباً ہر ادبی شخصیات پر سیمینار کرائے ہیں آگرہ کی ادبی شخصیات پر سیمینار کرانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ موجودہ دور کے طالب علم اکبر آباد کے تابناک ماضی کو جان سکیں اور اس ادبی شخصیات سے واقف ہو سکے۔

سینٹ جانس کالج کے سیمینار

نمبر	ماہ و سال	آرگنائزر	موضوع
۱	۱۹۸۱	ڈاکٹر علی احمد فاطمی	نظیر اکبر آبادی
۲	۱۹۸۲	,,	سیمابؔ اکبر آبادی
	۱۹۹۲_۱۹۸۱		کوئی سیمینار نہیں ہوا
۳	اپریل ۱۹۹۲	ڈاکٹر سید شفیق اشرفی	میکشؔ اکبر آبادی
۴	۱۹۹۳	,,	پریم چند فن و شخصیت
۵	۱۹۹۴	,,	غالبؔ فن و شخصیت
۶	۱۹۹۵	,,	ل۔ احمدؔ اکبر آبادی
۷	۱۹۹۶	,,	میرؔ فن و شخصیت
۸	۲۰۰۱	,,	غالبؔ فن و شخصیت

(ج) کالج کی اردو میگزین ''شفق''

کالج کی اردو میگزین ''شفق'' نے اردو ادب کے فروغ میں خاصا حصہ لیا ہے جس سال کالج میں اردو کا شعبہ قائم ہوا اسی سال سے یعنی ۱۹۲۷ء سے کالج کے اساتذہ نے ایک رسالہ شفق کے نام سے شائع کیا۔ اس رسالے کو شائع کرنے میں مولانا حامد حسن قادری، علی احمد صاحب اسیر اور ولی محمد صاحب، ''حضور'' کی کافی کوششیں شامل ہیں۔ مولوی ولی محمد خاں صاحب ''حضور'' ۱۹۲۷ء میں بحیثیت استاد فارسی شعبہ میں تشریف لائے آپ پورے کالج میں ''حضور'' صاحب کے نام سے مشہور تھے کالج کے چپراسی سے لے کر پرنسپل تک آپ کو سب ''حضور'' کہتے تھے۔ قادری صاحب ولی محمد صاحب کو ''سات سمندر'' کہا کرتے تھے۔ اس رسالہ کو کامیاب بنانے میں قادری صاحب کے خلوص، نیک نیتی، فعالیت اور اردو ادب سے ان کی دیوانگی کا بڑا دخل رہا ہے۔ مسرت حسین زبیری اور رضی الحسن چشتی دونوں طالب علموں نے بھی ''شفق'' کی اشاعت میں بڑی جاں فشانی اور لگن کا ثبوت دیا۔ یہ دونوں ہی کالج کے ہونہار طالب علموں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آخر کار اساتذۂ کرام اور طلباء کی مشترکہ کاوش کے نتیجہ میں ۱۹۲۷ء کو ''شفق'' کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ کالج میں شفق کی اشاعت نہ صرف اردو طالب علموں کے لئے مفید ثابت ہوئی بلکہ اردو و فارسی اور دوسرے شعبہ کے اساتذہ اور طالب علموں کے مضامین کی اشاعت کا بھی ذریعہ بنی۔ ''شفق'' میں ہر شعبہ کے طلباء کو اپنی ذہانت کے اجاگر کرنے کا موقع دیا گیا تھا جن کے دلوں میں برسوں سے یہ خواہش تھی کہ وہ اردو میں مضامین کسی میگزین میں شائع کرائیں ان کے لئے یہ عمدہ موقع تھا۔ مولانا حامد حسن قادری نے اس رسالے کو نہ صرف پہلی بار مرتب کیا بلکہ اپنے زمانہ تدریس میں اس میں نکھار لاتے رہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے اس کی پوری جلدیں پوری کوشش کے باوجود حاصل نہ ہوسکیں لیکن جو جلدیں اور مضامین حاصل ہوئے وہ ''شفق'' کی اہمیت اور اس کے تابناک ماضی کی آئینہ دار ہیں۔

۱۹۲۸ء میں ''شفق'' میں ایک نظم جو کہ جو یورنڈ کینن اے ڈبلو ڈیویس پرنسپل کے عہدہ وائس چانسلر کے جلسہ

تہنیت میں پڑھی گئی یہ نظم کالج کے فارسی کے طالب علم واصف علی نے لکھی تھی چند اشعار اس طرح ہیں۔

امنگیں نونہالان چمن کے دل میں کیسی ہیں　　یہ موجیں حوصلہ کے بحر بے ساحل میں کیسی ہیں
ترنگیں شہ رگ ہر ناقص وکامل میں کیسی ہیں　　دل شاغل میں کیسی ہیں تن کاہل میں کیسی ہیں

تقاضا ہے عنادل پر مچائیں شور گلشن میں
لئے پھرتا ہے ہر گلچین گل مقصود دامن میں

یہ کیا دعوت ہے کیا جلسہ کیا تقریب عالی ہے　　مسرت ہی نئی ہے اور خوشی بھی کچھ نرالی ہے
عیاں آرائش محفل سے کیا شان جمالی ہے　　کہ جذبات محبت سے نہیں ایک دل بھی خالی ہے

محرک کون ہے جس نے کیا ہے ولولہ پیدا
وہ کیسا پھول ہے، ہیں جس پر اتنی بلبلیں شیدا
(۱)

''شفق'' میں مقامی شعراء کا کلام بھی شائع ہوتا تھا سیماب اکبرآبادی میکش اکبرآبادی، صبا اکبرآبادی، معین فریدی، ہوش اکبرآبادی، اصغر اکبرآبادی، مغیث الدین فریدی، الیاس احمد الیاں، اور دیگر شعراء کرام کی غزلیں اور نظمیں بھی شائع ہوتی رہتی تھی۔ سیماب اکبرآبادی کی غزل کے چند اشعار پیش ہیں۔

فضا پیدا نہیں کرتی، کہیں دیوانہ برسوں سے　　نہیں اٹھتا کوئی پیغمبر ویرانہ برسوں سے
نظر کو ہے مذاق جلوۂ جاناں نہ برسوں سے　　میری نگرانیوں میں ہے تجلی خانہ برسوں سے
وہاں تسکین خاطر چار دن سے حسن آسودہ　　یہاں آشوب پہلو اک دل دیوانہ برسوں سے
تعجب ہے جو دنیا اب بھی میخانہ نہ بن جائے　　شراب عشق ہے پیمانہ در پیمانہ برسوں سے
(۲)

---

(۱) شفق، ۱۹۵۲ء ص ۳۲
(۲) شفق ء ۱۹۵۲ء ص ۲۸

از جناب بی فلپس صابرؔ اکبرآبادی

میری ہر سانس تمہید فغاں معلوم ہوتی ہے
محبت اک مسلسل داستاں معلوم ہوتی ہے
ہمارے خوں شدہ اشکوں میں اشکوں کی امانت ہیں
تیری فطرت کی رنگین داستان معلوم ہوتی ہے
(۱)

''شفق'' میں اردو ادب کے مشہور شعراء و ادیب کا کلام بھی شائع ہوتا رہتا تھا جن میں قابل ذکر جوشؔ ملیح آبادی، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، جگر مرادآبادی، معین احسن جذبیؔ غلام ربانی تاباںؔ، اسرار الحق (مجازؔ)، شکیلؔ بدایونی، نشور واحدیؔ کانپوری، اصغر شعریؔ بھوپالی ہیں۔ چند اشعار مثال کے طور پر اس طرح ہیں۔

نظم ''چور'' از شکیل بدایونی

چل دیا ہے بے روز گاری کو مٹانے کے لئے — فتنہ سرمایہ داری کو مٹانے کے لئے
جارہا تھا جیسے ایک دریا میں بے تابانہ موج — پستیاں تھیں مائل پرواز گویا تابہ اوج
اس کے چہرے سے مسرت کی جھلک تھی آشکار — اس کی نظریں جستجوئے شوق کی آئینہ دار
بڑھ رہا تھا جوش تکمیل تمنا دم بدم — اٹھ رہا تھا تیز رفتاری سے اس کا ہر قدم
اک دلیرانہ ادا سے دل کو سمجھاتا ہوا — شاہراہ کو چھوڑ کر گلیوں میں کتراتا ہوا
(۲)

نشور واحدی کانپوری

میں اب تیرے پرتو سے گھبرا گیا ہوں — میں اب آئینہ توڑ کر دیکھتا ہوں

---

(۱) شفق، ۱۹۵۳ء ص ۳
(۲) شفق، ۱۹۵۲ ص ۳۰

میں دنیا کے غم میں نہیں مبتلا ہوں میں شاعر ہوں اور وجد میں جھومتا ہوں
محبت کی ظالم نگاہوں نے چھیڑا وہ نغمہ کہ میں آج تک گارہا ہوں
(۱)

(لطف شعریت)

از جناب اصغر اشعری بھوپالی، تلمیذ رشید حضرت جگر مرادآبادی

رباعی

جو دل سے رواں ہوتے ہیں وہ دھارے ہیں جذبات کے اڑتے ہوئے فوارے ہیں
یہ سوز، یہ گرمی، یہ حرارت شعری آنسوں ہیں کہ پگھلے ہوئے انگار ہیں

(غزل)

برابر خفا ہوں، برابر منائیں نہ وہ باز آئیں نہ ہم باز آئیں
کسی اور کو داغ دل دکھائیں تمہاری کہانی تمہیں کو سنائیں
(۲)

معین احسن جذبی

ہرداغ دل میں عکس رخ گلبدن لئے بیٹھے ہیں اہل عشق چمن در چمن لئے
جب ذکر تیرے شہد لب ورخ کا چھڑ گیا ہم چپ رہے ہیں تلخی کا ودہن لئے
(۳)

مغیث الدین فریدی

وہ جو وجہ عشق تھی برہمی تمہیں یاد ہوکہ نہ یاد ہو
وہ جھلک عتاب میں پیار کی تمہیں یاد ہوکہ نہ یاد ہوں
(۴)

---

(۱) شفق، ۱۹۵۲ء ص ۲۹
(۲) شفق، ۱۹۵۲ء ص ۲۹
(۳) شفق، ۱۹۵۸ء

''شفق'' میں بعض ایسے مضامین بھی شائع ہوتے تھے جو کہ ادبی حیثیت کے حامل ہیں ان مضامین کا معیار اعلی درجے کا ہوتا تھا۔ چند ایسے ہی مضامین کا ذکر کرنا بھی میں ضروری سمجھتی ہوں۔ ۱۹۳۶ء میں پروفیسر مولانا عابد حسن فریدی صاحب کا ایک مضمون ''ہمارے مشاعرے'' کے عنوان سے شائع ہوا جو کہ انہوں نے سیماب لٹریری سوسائٹی کے جلسے میں ۲۰ر فروری ۱۹۳۶ء میں ارشاد فرمایا۔ اس مضمون میں مشاعرے کی روایت پر نگاہ ڈالی گئی ہے مشاعرے کی اہمیت کیا ہے؟ اس کی خصوصیات اور موجودہ دور کے مشاعروں کی خوبیاں اور خامیاں اور ان کے سمت ورفتار کا بڑے ہی دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے اسلوب بیان نہایت دلچسپ اور سادہ ہے۔ ان کے اسلوب کا ایک نمونہ اس طرح ہے۔

> ''غزل مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، گونا گوں جذبات کا آئینہ ہے۔ غزل میں جوش وشوق، سوز وگداز، غم والم، عزم وہمت، عبرت وموعظت، تسلیم ورضا، دیوانگی وفدائیت، جور وجفا، وصل وداد سبھی کچھ ہوتا ہے۔ اب آپ بتایئے کہ کیا ان مختلف جذبات کا اثر انسان کے دل ودماغ پر یکساں ہوتا ہے؟ اور کیا وہ ان سب باتوں کو ایک ہی طرح کے لب ولہجہ سے ادا کیا کرتا ہے؟ پھر یہ کیا غضب ہے کہ آپ ہر قسم کے مضمون کو ایک ترنم سے ادا کر دیتے ہیں۔ اگر آپ کے ترنم میں سوز ودرد ہے تو حسرت وغم کے مضمون کی طرح آپ جوش وولولہ کے مضمون کو بھی رو رو کر گا دیتے ہیں۔''(۱)

اس مضمون کے متعلق ایک اور بات بڑی دلچسپ ہے جو کہ اس کی ادبی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس مضمون کو قادری صاحب نے اپنی کتاب ''تاریخ وتنقید'' میں بھی شائع کیا۔ اس کتاب کے دیباچے میں قادری صاحب اس مضمون کے متعلق لکھتے ہیں۔

''ان میں صرف ایک مضمون (ہمارے مشاعرے) مولوی عابد حسن صاحب فریدی ایم۔

---

(۱) شفق، ۱۹۳۶ء ص ۳۰

اے پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ کا (جو مئی ۱۹۴۵ء میں انتقال فرما گئے) شامل کرلیا ہے۔ اس لئے کہ اس کا موضوع بہت ضروری اور اسلوب نگارش نہایت دلچسپ ہے۔ اس قسم کے بے لوث اور تعمیری تنقیدوں کی ہماری ادبی طوائف الملوکی میں بڑی ضرورت ہے۔''(۱)

اسی طرح حامد حسن قادری کے مضامین بھی اعلیٰ معیار کے ہوتے تھے حامد حسن قادری کے مضامین اکثر ''شفق'' میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ قادری صاحب کا ایک مضمون ''رفتار اردو'' ۱۹۳۶ء میں ''شفق'' میں شائع ہوا یہ مضمون ''داستان تاریخ اردو'' کا شروعاتی حصہ ہے ''داستان تاریخ اردو'' جو کہ قادری صاحب کا ممتاز کارنامہ ہے۔ اس میں اردو کی رفتار اس کی ابتداء کے متعلق اہم معلومات ہیں اس مضمون میں قادری صاحب نے اردو زبان وادب کے مصنفین نثر اردو کے حالات اور ان کی تصنیفات کے نمونے بھی دیئے ہیں۔ اور ان پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی ہے اس مضمون کو لکھنے میں قادری صاحب نے جن تصانیف سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست بھی آخر میں دی ہے اس مضمون میں اردو کی ابتداء کی ۹۸۶ء سے ۱۷۶۳ء تک کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اہم واقعات کے علاوہ مشہور ومعروف ادباء وشعراء کا ذکر کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر اردو کی ابتداء کا واضح خاکہ ذہن میں آجاتا ہے۔ یہ مضمون معلومات کا خزانہ ہے۔ اس مضمون سے ایک مثال اس طرح ہے۔

اردو میں سب سے پہلی تصنیف (ایک نظم)

امیر خسرو کی خالق باری (جو نظم لغت ہے) سے پہلے اردو زبان کی کوئی تصنیف ثابت نہیں ہوتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اردو میں سب سے پہلی کتاب نظم میں لکھی گئی۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

خالق باری، سرجن ہار
واحد ایک، برا کرتار
(۲)

---

(۱) تاریخ وتنقید کا دیباچہ،
(۲) شفق، ۱۹۳۳ء

قادری صاحب کا ایک اور مضمون جو کہ ''شفق'' میں ۱۹۳۴ء کو شائع ہوا نہایت ہی دلچسپ ہے اس کا عنوان ہے ''شاعری میں چوری'' اس مضمون میں سے ایک چھوٹی سی مثال دیکھئے اس سے اس مضمون کی دلچسپی کا اندازہ بخوبی وہو جائے گا۔

''اس سے بھی زیادہ عجیب اور دلچسپ مثال سنئے ،اردو زبان کے سب سے قدیم غزل گو شاعر حضرت مخدوم کمال الدین سعدی کاکوروی (متوفی ۱۵۹۳ء-۱۰۰۲ھ) کی غزل کا شعر ہے۔

ہمنا تمن کو دل دیا، تم دل لیا اور دکھ دیا
ہم یہ کیا، تم وہ کیا،ایسی بھلی یہ پیت ہے

مرزا رفیع سوداؔ دہلوی کا یہ شعر اس کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے۔

میں نے تم کو دل دیا، تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا، اور تم نے مجھ سے کیا کیا
(۱)

۱۹۴۵ء میں ایک مضمون ارتضا محمد خاں شیروانی کا ''اکبرآباد اور اردو'' کے عنوان سے شائع ہوا اس مضمون میں اکبرآباد کی ہمیت اور اردو کی ابتداء میں اکبرآباد کا کیا حصہ رہا؟ اس پر تفصیل سے نگاہ ڈالی گئی ہے۔اس کے علاوہ محمد انوار خاں کا مضمون ''ہندوستانی رسومات عروسی'' کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔شفق میں ڈاکٹر علی احمد فاطمی صاحب کے ادبی مضامین بھی شائع ہوئے ۱۹۸۲ء میں ''نظیر میلہ'' کے عنوان سے مضمون شائع ہوا۔رشید حسن خاں کا ایک مضمون ''سیمابؔ شاعر اور استاد'' بھی ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا جو کہ سیمابؔ اکبرآبادی کی ادبی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔اس کے علاوہ شفق میں کالج میں ہونے والے مشاعروں کی وقتاً فوقتاً روداد بھی شائع ہوتی رہتی تھی۔شعراء کرام کا وہ کلام جو انہوں نے مشاعروں میں پڑھا اس کا انتخاب بھی شائع کیا جاتا تھا۔''شفق'' میں اردو ادب کے بڑے شعراء پر بھی خصوصی

---

(۱) شفق ''شاعری میں چوری'' ۱۹۳۴ء ص۹

شمارے شائع ہوتے رہتے تھے۔اردو غزل کے مشہور ترین شاعر حسرت موہانی پر ''شفق'' کا خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع کیا گیا اس خصوصی شمارے کو حامد حسن قادری نے مرتب کیا۔اس شمارے میں حامد حسن قادری نے حسرت موہانی کی وفات پر تاریخ نکالی اور مغیث الدین فریدی صاحب نے حسرت موہانی کی ایک غزل پر تضمین پیش کی ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

برغزل مولانا حسرت موہانی مرحوم

محو جمال دوست ہوں میرا پتا ہے کیا　　کافی ہیں میرے بعد پشیمانیاں تیری
مدہوش آرزو ہوں میرا پوچھنا ہے کیا　　میں کشتہ وفا ہوں میرا خون بہا ہے کیا
(۱)

اس کے علاوہ اس خصوصی شمارے میں حسرت موہانی کی غزل گوئی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہیں۔ ''حسرت اور جگر، کے عنوان سے فیاض الدین (جو کہ طالب علم تھے) اور ''حسرت بحیثیت نقاد''معین الدین اویسی کے مضمون شائع ہوئے۔اس طرح سے جگر مرادآبادی کے انتقال پر بھی خصوصی شمارہ شائع کیا گیا۔اس شمارے میں بھی جگر صاحب کی زندگی ان کی شخصیت اور شاعری وفن کے متعلق اعلیٰ پائے کے مضامین شائع ہوئے۔اس کے علاوہ شفق میں سیماب اکبرآبادی پر بھی خصوصی شمارہ شائع کیا گیا۔''شفق'' میں اردو ادب کی شخصیات پر ہی خصوصی شمارے شائع نہیں کئے گئے بلکہ سیاسی اور علمی ہستیوں پر بھی خصوصی شمارہ نکالا گیا۔۱۹۴۸ء میں مہاتما گاندھی پر خصوصی شمارہ نکالا گیا۔کالج کی ایک علمی ہستی پرنسپل سلی صاحب پر بھی خصوصی شمارہ شائع کیا گیا۔''شفق'' کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ۱۹۶۳ء میں اردو کا شعبہ ختم ہوگیا تب بھی سید معظم علی شاہ اس کو شائع کرتے رہے اور اردو کے شعبہ کا قیام دوبارہ عمل میں آنے سے ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے بھی اس کی اشاعت پر خاص توجہ دی اور خود بھی ''شفق'' میں مضمون لکھے ان کا ایک مضمون ''فانی اور آگرہ'' ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔یہ مضمون فانی کے قیام آگرہ سے متعلق ہے یہ مضمون

(۱) شفق　　۱۹۵۲ء ص۴

نہایت دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا پتا دیتا ہے کہ اس کو لکھنے میں فاطمی صاحب نے بڑی جاں فشانی اور کاوش سے کام لیا ہے اور فانی کی زندگی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ موجودہ دور میں ''شفق'' میں شائع نہیں ہو رہی ہے۔ شفق ہی نہیں کالج کی ہندی اور انگریزی کی میگزین بھی ۱۹۹۲ء سے شائع نہیں ہوئی ہیں۔ لیکن 'شفق' کا ماضی بہت ہی تابناک رہا ہے اور کالج میں ہی نہیں آگرہ میں بھی شفق نے اردو ادب کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور طلباء اور اساتذہ کو کسی نہ کسی صورت میں اردو ادب سے روشناس کرایا ہے۔ اور اب ایک نظر ''شفق'' میں شائع ہونے والے مشہور شعراء وان کے کلام کی فہرست ملاحظہ ہو۔

''شفق'' میں شائع ہونے والے اہم شعراء

نمبر	سنہ اشاعت	شعرائے کرام کے نام	اہم نظمیں/غزلیں
۱	۱۹۳۰	اسرار الحق مجاز	(نظم) آہ محمد علی
۲	''	''	صبح بہار اور یہ کہار کی صدائیں
۳	۱۹۶۹	غلام ربانی تاباں	خیال دوست کو خوشبوئے پیرہن کہئے
۴	۹۱۳۹	ساجد علی خاں رازؔ مرادآبادی	چہرہ بھی ہے اداس اداس آنکھ میں اشک تر بھی ہے
۵	۱۹۳۹	مولانا فخر الحسن صاحب قمر بدایونی	درد کی ٹیس ادھر بھی ہے درد کی ٹیس ادھر بھی ہے
۶	۱۹۳۱	آل احمد سرورؔ	(نظم) تاج شب ماہ میں
۷	۱۹۵۲	حامد حسن قادری	(رباعی) شفق کے پچیس سال پورے ہونے پر
۸	''	شکیلؔ بدایونی	(نظم) چور اس کے علاوہ غزل بھی شائع ہوئی
۹	''	اصغر اشعریؔ بھوپالی	لطف شعریت
۱۰	''	نشور واحدیؔ کانپور	(نغمہ) میں اب تیرے پرتو سے گھبرا گیا ہوں
۱۱	''	سیمابؔ اکبرآبادی	فضا پیدا نہیں کرتی، کہیں دیوانہ برسوں سے
۱۲	۱۹۳۹	مسٹر زاہد حسن فریدی ذوقؔ	عشق سکون دل بھی ہے، عشق جنون سر بھی ہے

۱۳	۱۹۳۹	مغیث الدین فریدیؔ	میں بھی ہوں تیرا شوق بھی درد بھی ہے جگر بھی ہے
۱۴	۱۹۳۹	عبدالماجد	جو نقش ہے ہستی کا باطل نظر آتا ہے
۱۵	۱۹۵۸	معین احسن جذبیؔ	ہر داغ دل میں عکس رخ گلبدن لئے
۱۶	۱۹۵۸	مغیث الدین فریدیؔ	وہ جو وجہ عشق تھی برہمی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
۱۷	۱۹۳۹	سید علی مہدی دردؔ (فرخ آبادی)	ہم تو کچھ بھی نہ سمجھ پائے تماشا کیا ہے
۱۸	۱۹۳۹	جناب محمد محبوب الحسن ارشدیؔ	عشق کا یہ اثر بھی ہے عشق کا وہ اثر بھی ہے
۱۹	۱۹۵۲	ہوشؔ اکبرآبادی	(نظم) یہ کالج

خاص خاص مضامین جو شفق میں شائع ہوئے اور مجھے دستیاب ہوں سکے

نمبر	سنہ اشاعت	مضمون کا نام	مضمون نگار کا نام
۱	۱۹۳۳	رفتار اردو	مولانا حامد حسن قادری
۲	۱۹۳۶	ہمارے مشاعرے	مولانا عابد حسن فریدی
۳	۱۹۳۴	شاعری میں چوری	مولانا حامد حسن قادری
۴		آگرہ کا قدیم شاعری (۱۸۶۹) آگرہ کا قدیم مشاعرہ فارسی	'' ''
۵	۱۹۵۲	حسرتؔ بحیثیت نقاد	معین الدین اویسی
۶	''	حسرت موہانی	مختار حسین سبزواری اکبرآبادی
۷	۱۹۸۲	ہندوستانی رسومات عروسی	محمد انوار خاں
۸	''	نظیر میلا	علی احمد فاطمی
۹	۱۹۸۱	سیمابؔ شاعر اور نقاد	رشید حسن خاں
۱۰	۱۹۴۵	اکبرآباد اور اردو	انصار محمد خاں شیروانی
۱۱	۱۹۸۲	فانی اور آگرہ	ڈاکٹر علی احمد فاطمی

(د) حامد حسن قادری کی درمیان تدریس کی تصانیف

کالج کی ادبی خدمات میں ان تصانیف کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا جو کہ مولانا حامد حسن قادری نے زمانہ تدریس یعنی ۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۲ء کے درمیان لکھی گئی ان دنوں قادری صاحب بحیثیت استاد یہاں پر رہے۔ قادری صاحب ایک نقاد، عالم، ادیب، تاریخ گو، اور شاعر تھے۔ ایک شخص میں اتنی خوبیاں مشکل سے ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ قادری صاحب نے اپنے علم اور ذہانت سے ایسی تصانیف لکھیں جن پر اردو ادب ہمیشہ ناز کرتا رہے گا۔ یوں تو قادری صاحب نے بہت سی تصانیف لکھی مثلاً باغبان (۱۹۲۱ء) الکحل (۱۹۲۳ء) ''فطرت اطفال'' ۱۹۲۵ء میں ''کمال داغ'' ۱۹۳۴ء میں ''تاریخ مرثیہ گوئی'' ۱۹۳۴ء میں ''داستان تاریخ اردو'' ۱۹۳۸ء میں ''نقد ونظر'' ۱۹۴۲ء میں ''ایرانی افسانے'' ۱۹۴۴ء میں ''صید وصیاد'' (افسانے) ۱۹۴۴ء میں ''کمال فانی''، ''یوسف وزلیخا'' (ڈرامہ) مشہور ومعروف رہی ہیں لیکن ہمیں مراد صرف اس زمانے کی تصانیف سے ہیں جو کہ قادری صاحب کے سینٹ جانس کالج میں تدریس کے زمانے میں لکھی گئی اور ان میں کالج اور طالب علم بھی کسی نہ کسی طرح مبتلا رہے۔

داستان تاریخ اردو

(۱۹۳۸ء) ''داستان تاریخ اردو'' قادری صاحب کا وہ کارنامہ ہے جس نے انہیں اردو ادب کی دنیا میں روشن کر دیا۔ یہ کتاب بہت مقبول وعام ہوئی۔ ''داستان تاریخ اردو'' معلومات کا خزانہ ہے۔ ''داستان تاریخ اردو'' قادری صاحب کے زمانے تدریس کے دوران لکھی گئی۔ ''داستان تاریخ اردو'' کے سلسلے میں آل احمد سرور لکھتے ہیں۔

> ''قادری صاحب کی کتاب ''داستان تاریخ اردو'' اس طرح لکھی گئی کہ اسٹاف روم میں ایک قسط لکھی اور کاتب کو بھیج دی۔ پھر کلاس روم میں چلے گئے۔ شام کو دوسری قسط لکھی خود کہتے تھے کہ حوالے کی کتابیں بھی مشکل سے دستیاب ہوئی تھیں۔ مگر انہوں نے بڑی لگن اور بڑی محنت سے یہ قابل قدر کام کر دیا۔'' (۱)

---

(۱) اردو کالج میگزین آگرہ، آل احمد سرور ۱۹۷۶ء ص ۲۵۔۲۶

حوالے کی کتابوں کی مشکل کا ذکر قادری صاحب نے اپنے خطوط میں بھی کیا ہے حفیظ ہوشیار پوری کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''یہ عجیب بات ہے کہ آگرہ میں اردو و فارسی کی کتابوں کی کوئی بڑی دوکان کبھی ہوئی ہی نہیں'' کتابوں کی اس قدر قلت ہونے کے باوجود ''داستان تاریخ اردو'' جیسا کارنامہ انجام دینا معمولی بات نہیں۔ آل احمد سرور کے اقتباس سے اس بات کا خلاصہ ہوتا ہے کہ ''داستان تاریخ اردو'' ۱۹۳۰ء کے دوران قادری صاحب نے لکھنا شروع کردی تھی اور یہ منظر عام ۱۹۳۸ء میں آئی۔ بقول آل احمد سرور ''جب قادری صاحب کسی موضوع پر لکھتے تھے تو ان کا ذہن اس مضمون کے بارے میں سوچتا رہتا'' ایسے ذہن کے لئے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اور قادری صاحب بھی اپنا زیادہ سے زیادہ وقت علمی اور ادبی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ قادری صاحب کے طالب علم سید معظم علی شاہ ان کے مطالعہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> ''قادری صاحب کا محبوب مشغلہ مطالعہ ہے۔ کالج کے زمانے میں بھی معمولاً چھ سات گھنٹے روزانہ مطالعہ میں صرف کرتے تھے اور اب تو صبح سے شام مطالعہ ہے یا عبادت۔ اس کثرت مطالعہ کا نتیجہ آپ کی بے شمار تصانیف، ترجمے اور تالیف ہیں مختلف رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں صالح اور بے لاگ تنقید اگر دیکھنا ہو تو قادری صاحب کی تنقید دیکھئے۔''(۱)

''داستان تاریخ اردو'' قادری صاحب کے کثرت مطالعہ کا ہی نتیجہ ہے کیوں کہ اردو ادب کے معروف اور غیر معروف مشاہیر کے حالات زندگی اور تصانیف کے نمونے اخذ کرنا معمولی بات نہیں۔ کسی بھی مصنف کی تحریر کے نمونے اگر سامنے نہ ہو تو اس مصنف کی طرز تحریر اور اسلوب کا بیان تشنہ رہتا ہے لیکن قادری صاحب نے بڑی جاں فشانی سے مصنفین کی تحریروں کے نمونے پیش کئے ہیں۔ اور ان کے بعد تبصرہ بھی کیا ہے۔ قادری صاحب تنقید کرنے میں صاف گوئی سے کام لیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ''قادری صاحب رائے دینے میں بڑے نڈر اور بے باک ہیں۔

---

(۱) تنقید ۱۹۵۲ء (شعبہ اردو و فارسی) ص ۱۲

لگی لپٹی نہیں رکھتے۔لیکن ان کی ادبی بحث کبھی ذاتیات تک نہیں پہنچی۔'' اور واقعی بے لاگ اور بے باک تنقید کرنا بہت مشکل کام ہے لیکن قادری صاحب نے داستان تاریخ اردو کتاب میں اس کی جسارت کی ہے۔

''داستان تاریخ اردو'' کے بارے میں بقول نیاز فتح پوری کہ ''یہ کتاب تاریخ اردو کی اچھی خاصی ''سائیکلو پیڈیا'' معلوم ہوتی ہے۔اور حقیقت میں اس کتاب میں مشاہیر نثر نگار کے حالات اور ان کی تصانیف کے نمونے درج کر کے اور ان پر تنقید کر کے اور یہ سب اختصار کے ساتھ پیش کر کے قادری صاحب کی یہ تصانیف ''سائیکلو پیڈیا'' ہی معلوم ہوتی ہے۔ قادری صاحب نے مصنفین کے عیب وہنر دونوں پر برابر نظر رکھی ہے وہ مصنفین کے طرز تحریر کی خصوصیات ہی نہیں گناتے ہیں بلکہ اس کی خامیاں بھی بیان کرتے ہیں۔اس کی اہمیت کا اندازہ آل احمد سرور کے اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

> ''اس وقت تک اردو نثر کے متعلق جتنی کتابیں ہیں ان سب سے مستند، جامع اور مفصل ہے اس کے سامنے سکسینہ اور عسکری اور احسن کی کتابیں محض طفلانہ کوششیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب محض مشاہیر کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ بہت سے دوسرے درجے کے غیر معروف مصنفوں کا ذکر ہے۔خصوصاً انیسویں صدی کے نثاروں کا تذکرہ بہت مفید ہے اس سے یہ خیال اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ فورٹ ولیم کالج اور سرسید کے درمیان کے زمانے کو تاریکی کا دور کہتے ہیں، وہ کس قدر غلطی پہ تھے۔''(۱)

مختصر یہ کہ ''داستان تاریخ اردو'' میں مصنفین کی تصانیف کے اسباب تحریر، خصوصیات تحریر اور ان اتجزیہ کر کے اردو ادب میں ان مصنفین اور تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

---

(۱) نقد ونظر اکتوبر ۱۹۴۲ء ص۲

تاریخ وتنقید

قادری صاحب کی یہ کتاب بھی اسی دوران لکھی گئی جب کہ قادری صاحب سینٹ جانس کالج میں تدریس دیتے تھے۔ قادری صاحب کالج کے طلباء کو تعلیم دینے کے لئے جو نوٹس تیار کرتے ان نوٹس سے اس کتاب میں کافی مدد لی گئی ہیں جس کا خلاصہ قادری صاحب نے ''تاریخ وتنقید'' کے دیباچہ میں کر دیا ہے لکھتے ہیں۔

> ''ان مضامین میں تاریخ وتنقید کے متعلق مجھے ایجاد وجدت کا دعوی نہیں۔ ان میں سے بعض مضامین میں نے اپنے کالج کے طالب علموں کے لئے بطور ''کلاس نوٹس'' کے تیار کئے تھے۔ اور کالج میگزین (مسمیٰ بہ ''شفق'') میں چھپوائے تھے۔''(۱)

قادری صاحب کی یہ بات غور طلب ہے کہ اعلی معیار کے مضامین تیار کر کے کلاس میں تعلیم دیتے تھے کہ ان مضامین کی مدد سے ادبی کتاب شائع کی گئی۔ ''داستان تاریخ اردو'' کی طرح اس کتاب میں بھی مشاہیر ادب کے حالات زندگی اور ان کے کلام کے نمونے کثرت سے دئے ہیں۔ قادری صاحب نے کتاب کے ابتدائی حصے میں اردو زبان کی وسعت اور اہمیت پر تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے اردو شاعری کی اصناف غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعی، اور جدید شاعری کی تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے اور شعراء کے کلام پر تنقید بھی کی ہے۔ قادری صاحب کو شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔ ان کے شعری ذوق کے متعلق خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں۔

> ''اشعار کے مطالب، معانی و بیان کے اصول وقواعد، فصاحت و بلاغت کے نکات، اور کلام کے محاسن وعیوب پر ان کی ایسی نظر ہے کہ کوئی نکتہ چھوٹنے نہیں پاتا۔ پھر اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بات دل نشین اور خاطر نشان ہو جاتی ہے۔''(۲)

---

(۱) تاریخ وتنقید (دیباچہ)
(۲) نقوش شخصیات نمبر ۱۹۵۶ء ص ۲۷۵

اس اقتباس میں خواجہ احمد فاروقی صاحب نے قادری صاحب کی جو خوبیاں بیان کی ہے وہ سب خوبیاں اس کتاب میں موجود ہیں۔ قادری صاحب نے شاعروں کے محاسن وعیوب دونوں ہی پر نظر رکھی ہے اور ان کے اسلوب بیان پر تنقید بھی کی ہے۔ غرض یہ کہ ''تاریخ وتنقید'' قادری صاحب کی اہم کتابوں میں سے ہے جس کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں کہ اسکے بعض مضامین انہوں نے طالب علموں کے لئے ''بطور کلاس نوٹس'' تیار کئے ہیں۔ اس کی اہمیت کالج کے لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ کتاب کو لکھنے میں کالج میں پڑھائے گئے مضامین سے استفادہ کیا گیا تھا۔''

نقد ونظر

نقد ونظر کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہے نقد ونظر بھی ۱۹۴۲ء یعنی قادری صاحب کے سینٹ جانس کالج کے قیام کے دوران ہی لکھی گئی۔ اس کتاب کا ہر مضمون قادری صاحب کے وسیع علم اور ادب پر ان کی گہری نظر کا پتا دیتا ہے۔ اس کتاب میں شاعروں، نقادوں، زبانوں پر تبصرے کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے بعض مضامین پہلے ''شفق'' میں شائع ہوئے مثلاً آگرہ کا ایک قدیم مشاعرہ (۱۸۶۹ء) اور آگرہ کا قدیم مشاعرہ فارسی (۱۸۶۹ء) اس میں ایک مضمون جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہیں۔ ''ہمارے مشاعرے'' عابد حسن صاحب کا ہے یہ مضمون بھی ''شفق'' میں شائع ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ تاریخ مرثیہ گوئی، کمال داغ، اور یوسف وزلیخا (ڈرامہ) بھی اسی دوران منظر عام پر آئی جبکہ آپ سینٹ جانس کالج میں بحیثیت استاد کے رہے۔

مختصر یہ کہ ان کتابوں کے فروغ واشاعت میں کہیں نہ کہیں کالج بھی وابستہ رہا چاہے ان کتابوں کے مضامین ''شفق'' میں شائع ہوئے ہوں، کلاس میں بیٹھ کر ان کے کچھ حصے لکھ گئے ہوں یا پھر طلباء کے لئے کلاس نوٹس سے ان میں مدد لی گئی ہو۔ یہ بات قابل قدر ہے کہ قادری صاحب کی جو بھی کتابیں ۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۲ء کے درمیان شائع ہوئی جب کہ قادری صاحب کالج میں رہے ان کتابوں کو اردو ادب میں قادری صاحب کی دوسری تصانیف سے بڑھ کر حیثیت ومرتبہ حاصل ہوا۔

باب پنجم

حاصل مطالعہ

حاصل مطالعہ

جس طرح دہلی کالج کے قیام کا واحد مقصد یہ تھا کہ ہم ہندوستانی اپنے طور پر مغربی تہذیب وتمدن سے آشنا ہوسکیں۔ٹھیک اسی طرح انگریزوں نے بھی شعوری طور پر اپنی تہذیب وتمدن سے ہندوستانیوں کو واقف کرانے کے لئے کئی مراکز قائم کئے ان میں سے ایک مرکز آگرہ کا سینٹ جانس کالج آگرہ بھی ہے انگریزوں نے اپنی تہذیب وتمدن ،مذہب اور زبان کے فروغ کے لئے اس کالج کی بنیاد ۱۸۵۰ء میں ڈالی تھی۔

دسمبر ۱۹۵۲ء میں کالج کا باقاعدہ آغاز ہوا کالج کو کامیاب بنانے کے لئے چرچ مشنری سوسائٹی انگینڈ نے دو قابل اشخاص Thomas Valpy French and Edward Craig Stuart کو آگرہ بھیجا ان دونوں نے کالج کی ابتدائی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔۱۸۵۲ء میں کالج کے اساتذہ کے رہنے کے لئے مکانات بھی تعمیر کئے گئے موجودہ دور میں جو انٹر کالج کی عمارت ہے اس کا نقشہ میجر کیٹے نے بنایا تھا۔عمارت کا کام جب تک چلا ''فرنچ سینٹ جانس چرچ آگرہ'' میں کلاسیں لیتے رہے۔انگریزوں نے اس کالج کے نصاب میں اپنی مذہبی تعلیم پر بہت زور دیا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے کالج کی ترقی میں رکاوٹیں ضرور آئیں لیکن ۱۸۶۰ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے الحاق کے بعد کالج پھر سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا۔کالج کے پہلے گریجویٹ ۱۸۶۶ء میں دامودر داس بنے۔ ۱۸۸۸ء میں کالج کا الحاق الہ آباد یونیورسٹی سے ہوگیا اور الہ آباد یونیورسٹی نے ۱۸۹۱ء میں کالج میں ایم اے۔ کی کلاسیں بھی شروع کرادی۔کالج کے پرنسپل یو۔جے۔پی۔ہیتھرنتھ ویٹ کے زمانے میں کالج نے بہت ترقی کی۔۱۸۹۳ء میں سکنلنگ اور ٹیلی گرافی یعنی اشارتی اطلاعات کی کلاسیں کھولی گئیں۔۱۹۰۹ء میں کالج کو دو شفٹوں میں منقسم کردیا گیا تھا اور اس کے باوجود طلباء کی تعداد میں اضافہ کے تحت نئی عمارت کا قیام عمل میں آیا اس عمارت کا عام خاکہ Swinton Jacob نے بنایا اس نئی عمارت کو آگرہ کی مشہور مغلیہ یادگاروں کی عمدہ جانشیں کے طور پر بنایا گیا۔اس کے بعد کالج

میں اور بھی کئی عمارتوں کا اضافہ ہوتا رہا مثلاً سائنس بلاک، لیوڈ ہاسٹل، ڈیوس ہاؤس اینٹومولوجی ڈپارٹمنٹ، ہیلی بر ہاؤس، عربی وفارسی کے شعبہ تو کالج میں ۱۹۰۰ء کے درمیان ہی قائم ہو چکے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں کالج کے چند طلباء نے فین تھامس صاحب کی مدد سے ایک انجمن ''انجمن ترقی اردو'' کے نام سے قائم کی اس انجمن نے کالج میں بہت سے مشاعرے، مباحثے کرائے۔ اس کے علاوہ اس کی مجلس ادبیہ نے کچھ کتابوں کی اشاعت بھی کرائی۔ اس انجمن نے ہندوستانی اسٹیج کی درستی کے لئے انگریزی ڈرامہ کو اردو پیرایہ میں منظر عام پر لانے کی کوشش میں شیک پیئر کے مشہور المیہ کا ترجمہ اردو میں کرایا اور کالج کے ہال میں اس کو اسٹیج بھی کیا گیا۔ غرض یہ کہ اس انجمن نے کالج میں ادبی فضا پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

کالج میں اردو شعبہ کا قیام ۱۹۲۷ء میں عمل میں آیا اور مولانا حامد حسن قادری بحیثیت استاد تشریف لائے آپ کے آنے سے انجمن کی سرگرمیوں میں نئی جان پڑ گئی۔ مولانا حامد حسن قادری نے طلباء کے اندر اردو ادب سے دلچسپی پیدا کی اردو کے پہلے طالب علم مسرت حسین زبیری اور رضی الحسن چشتی انجمن کے کامیاب سکریٹریوں میں سے تھے۔ کالج میں اردو کا ابتدائی دور بہت شاندار رہا۔ ۱۹۲۹ء میں مجاز اور جذبی یہاں بحیثیت طالب علم تشریف لائے۔ اسی سال اردو ادب کے بہت بڑے نقاد آل احمد سرور نے بھی یہاں داخلہ لیا۔ اس دور میں ادبی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ فانی بدایونی یہاں تشریف لا چکے تھے۔ جگر صاحب اور جوش صاحب کا قیام اکثر میکش اکبر آبادی کے گھر پر ہوتا تھا اور وہیں ادبی محفلیں جمتی تھیں۔ ان محفلوں میں سینٹ جانس کالج کے طلباء مجاز، جذبی، آل احمد سرور، ہوش اکبر آبادی بھی حصہ لیتے تھے۔ آگرہ میں کئی انجمنیں اور سوسائٹیاں اردو ادب کی ترقی کے لئے کام کر رہی تھی مثلاً سیماب لٹریری سوسائٹی، انجمن شباب اردو کالج آگرہ، بزم اردو آگرہ اور بزم اقبال کی سرگرمیاں زوروں پر تھی۔

آگرہ میں اردو ادب کو عام فہم بنانے کے لئے اور طلباء میں اس کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ''بزم اقبال'' نے جامعہ اردو آگرہ کی بنیاد ڈالی۔ یہی جامعہ اردو مولانا طاہر فاروقی کے ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے جانے سے علی گڑھ منتقل

کر دیا گیا۔ جامعہ اردو آگرہ کو کامیاب بنانے میں مولانا طاہر فاروقی میکشؔ اکبرآبادی اور حامد حسن قادری نے بہت جد وجہد کی۔ مولانا حامد حسن قادری ''بزم اقبال'' کے صدر بھی رہے۔ ''بزم اقبال'' نے ۱۹۳۸ء میں اردو کی نشر واشاعت کو فروغ دینے کے لئے طباعت واشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا اور کچھ کتابیں شائع بھی کرائیں۔ شعروشاعری کا شوق آگرہ میں اس قدر تھا کہ اسکولوں کے بچے بھی انجمنیں بنا لیتے تھے اور آپس میں مل کر انعامی مشاعرے بھی کیا کرتے تھے ان مشاعروں میں کالج کے اساتذہ وطلباء بھی شرکت کرتے تھے۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سینٹ جانس کالج کے اساتذہ وطلباء آگرہ میں ہونے والے ادبی مشاعروں، ادبی محفلوں، بزم اقبال، اردو کالج آگرہ، جامعہ اردو آگرہ سیماب لٹریری سوسائٹی کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ کالج کے طالب علم فانیؔ بدایونی سے بھی صلاح لیتے تھے۔ جس میں مجازؔ اور جذبیؔ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سینٹ جانس کالج کے ابتدائی دنوں سے ہی اردو ادب کے بڑی بڑی ہستیاں اس سے وابستہ رہیں۔ مولانا حامد حسن قادری، مولانا عابد حسن فریدی، مولانا طاہر فاروقی بحیثیت استاد اس کالج سے وابستہ رہے۔ جذبیؔ، مجازؔ، جوشؔ اکبرآبادی، آل احمد سرور، تاباںؔ، بحیثیت طالب علم تشریف لائے ان کے آنے سے ''انجمن ترقی اردو سینٹ جانس کالج کی انجمن میں رونق آگئی۔ مجازؔ اور جذبیؔ کی زندگی نے یہاں نیا موڑ لیا تعلیم سے طبیعت ہٹ کر شعروشاعری کی جانب مائل ہوگئی۔ بقول جذبیؔ ''ہر وقت صرف ایک ہی کام تھا شعروشاعری'' ان پر آگرہ کی ادبی محفلوں اور مولانا حامد حسن قادری کی شخصیت کا بھی بہت بڑا اثر ہوا۔ آل احمد سرورؔ اور غلام ربانی تاباںؔ کا شمارہ کالج کے ذہین طلباء میں کیا جاتا ہے۔ ان دونوں نے بھی متواتر کئی سال انجمن کے مشاعروں اور مباحثوں میں انعام حاصل کئے۔ آل احمد سرورؔ صاحب کالج کی انجمن کے سکریٹری بھی رہے ان کے علاوہ کالج کے مشہور طلباء میں ہوش اکبرآبادی، جناب عبدالماجد، افتخارالدین شوقؔ، خالد حسن قادری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

''انجمن ترقی اردو'' اردو شعبہ کی جانب سے مباحثہ اور مشاعروں کا اہتمام کرایا کرتی تھی۔ ان مشاعروں میں طلباء میں شعروادب کا ذوق پیدا کرنے کے لئے مختلف انعامات مثلاً عظیم رننگ شلڈ، انجمن کپ، ماتھر کپ، طلائی تمغہ،

طرزی کپ، نقرئی تمغہ، چاندی کے قلمدان جیسے انعامات دیئے جاتے تھے۔ان مشاعروں میں کالج کے ہی نہیں باہر کے طلباء بھی کثرت سے حصہ لیتے تھے۔مثلاً مسلم یونیورسٹی، فراخ آباد کالج، میرٹھ کالج، امرتسر کالج، ان کالجوں کے طلباء میں شکیلؔ بدایونی، رازؔ مرادآبادی، سید سرفراز حسین خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جنہوں نے مسلسل چار پانچ سال تک عظیم رننگ شیلڈ اور انفرادی انعامات حاصل کئے۔ان حضرات کی غزلیں ونظمیں کالج کے میگزین ''شفق'' میں بھی شائع ہوتی رہتی تھیں۔کالج کے طلباء میں عبدالماجد، سید ظہیر، مغیث الدین فریدیؔ، آل احمد سرورؔ، مجازؔ، جذبیؔ تاباںؔ نے بھی ان مشاعروں میں انعامات حاصل کئے۔کالج میں ۱۹۳۹ء میں مولانا حامد حسن قادری نے ''فی البدیہ غزل گوئی'' کے انعامی مشاعرے کا اضافہ کیا یہ مقابلہ بہت مقبول وعام ہوا۔۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۲ء تک لگاتار جناب مغیث الدین فریدیؔ صاحب نے فی البدیہ مقابلہ غزل گوئی میں پہلا انعام حاصل کیا اور ۱۹۴۳ء میں کالج میں ہوئے کل ہند انعامی مشاعرے میں پہلا انعام حاصل کیا۔۱۹۴۸ء میں مغیث الدین فریدیؔ بحیثیت استاد اس کالج میں مقرر کئے گئے۔آپ اس کالج کے طالب علم بھی رہ چکے تھے۔سینٹ جانس کالج میں ادبی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھی کالج کے مشاعروں میں جگرؔ مرادآبادی، جناب ارادتؔ مارہروی، احسنؔ مارہروی، جوشؔ ملیح آبادی، معین حسن جذبیؔ، مجازؔ، سیمابؔ، میکشؔ اکبر آبادی، اخضرؔ اکبرآبادی، باغؔ اکبرآبادی، ہوشؔ اکبرآبادی، صہباؔ، اکبرآبادی، تابشؔ اکبرآبادی، اصغرؔ اکبرآبادی، چمنؔ اکبرآبادی، اسرارؔ اکبرآبادی، اکثر وبیشتر تشریف لاتے تھے۔احسنؔ مارہروی اور میکشؔ اکبرآبادی نے اکثر صدارت بھی فرمائی۔یہ دور کالج کا عہد زریں دور تھا مولانا حامد حسن قادری کا قیام اس کالج میں لمبے عرصے تک رہا یہاں پر رہ کر انہوں نے اردو کی بیش بہا خدمات انجام دی اور کالج میں طلباء کے لئے ادبی ماحول پیدا کیا۔قادری صاحب کی نایاب تصانیف زمانہ تدریس میں لکھی گئی۔جس میں ''داستان تاریخ اردو''، ''تاریخ وتنقید''، تاریخ مرثیہ گوئی''، اور ''نقد ونظر'' خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ان تصانیف کو لکھنے میں قادری صاحب کے وہ مضامین بھی شامل ہیں جو کہ انہوں نے کلاس نوٹس کے لئے تیار کئے جس کا اعتراف قادری صاحب نے اپنی تصانیف کے مقدمات میں بھی کیا ہے۔

۱۹۵۲ء تک کا دور کالج میں اردو ادب کا عہد زریں رہا۔ اس دوران کالج میں ادبی مشاعرے مباحثے اور جلسے اپنے عروج پر رہے۔ ۱۹۵۲ء میں کالج میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ قادری صاحب کے اپنی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے موقع پر اردو کے اہل ادب پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر زبیر حسن صدیقی، عبدالرحمٰن صاحب، خلیق احمد صاحب، عبدالواجد صاحب نے شرکت کی۔ اس کے بعد مغیث الدین فریدی نے بھی کالج میں مشاعروں کی روایت کو زندہ رکھا۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کا تقرر دہلی یونیورسٹی میں ہوگیا۔ اسی دوران سید معظم علی شاہ بھی تدریس کا کام کررہے تھے۔ لیکن آزادی کے بعد شہر کا ادبی طبقہ پاکستان چلا گیا جس سے کالج کے اردو شعبہ پر جمود سا طاری ہوگیا۔ اور لمبے عرصے تک کالج میں اردو کی تدریس نہ دی جاسکی۔ ۱۹۷۶ء کے درمیان کالج میں اردو شعبہ کے لئے کاروائی شروع کردی گئی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر علی احمد فاطمی بحیثیت استاد تشریف لائے اور انہوں نے ایک بار پھر شعبہ اردو کو رونق بخشی اور کالج میں ادبی ماحول پیدا کیا کالج میں سیمینار کرانے کا سہرا علی احمد فاطمی کو جاتا ہے۔ علی احمد فاطمی صاحب نے نظیر اکبرآبادی اور سیماب اکبرآبادی کی شخصیات وفن پر سیمینار کرائے اور ان سیمینار کے ساتھ ساتھ مشاعرے بھی ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں علی احمد فاطمی صاحب کے الہ باد یونیورسٹی میں تقرر ہوجانے سے جناب سید امین صاحب کا تقرر بحیثیت استاذ اس کالج میں ہوگیا۔ امین صاحب کے زمانہ میں بھی کالج نے بہت ترقی کی۔ ۱۹۹۲ء میں امین صاحب کے علی گڑھ یونیورسٹی چلے جانے کے بعد ڈاکٹر جناب عتیق اشرفی کا تقرر ہوا جو کہ موجودہ دور میں تدریس کا کام کررہے ہیں۔ علی احمد فاطمی صاحب نے جو سیمینار کا سلسلہ قائم کیا تھا اس کو ایک بار پھر اشرفی صاحب نے شروع کرایا آپ نے میر، غالب، میکش، پریم چند، ل۔ احمد اکبرآبادی کی فن، شخصیات پر سیمینار کرائے اور سیمینار کے اس سلسلے کو آج بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان سیمینار میں پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر عقیل رضوی، پروفیسر محمود الحسن، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، پروفیسر عنوان چشتی، وغیرہ نے وقتاً فوقتاً شرکت کی اور مقالات پڑھے۔

کالج میں اردو ادب کے فروغ میں اردو میگزین ''شفق'' نے بھی اہم رول ادا کیا اس میگزین کی بنیاد ۱۹۲۷ء میں

اردو شعبہ کے ساتھ ہی پڑی۔ ''شفق'' نے طلباء میں شعری ذوق پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے دلچسپی بھی پیدا کردی۔ ''شفق'' میں مجاز، جذبی، تاباں، سرور، اسرار اکبرآبادی، صبا اکبرآبادی، ہوش اکبرآبادی، عبدالماجد، زاہد حسن فریدی، مغیث الدین فریدی، افتخارالدین شوق، زاہر رضوی، سیماب اکبرآبادی، جگر مرادآبادی، کی نظمیں اور غزلیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ حامد حسن قادری، عابد حسن فریدی معظم علی شاہ، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، رشید حسن خاں کے ادبی مضامین بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ ''شفق'' نے جگر، حسرت اور سیماب جیسی شخصیات پر خصوصی شمارے بھی شائع کئے اس کے علاوہ شفق میں کالج میں ہونے والے مشاعرے اور جلسوں کی مختصر رپورٹ اور ان مشاعروں اور جلسوں میں پڑھی جانے والی غزلوں اور نظموں کا انتخاب بھی وقتاً فوقتاً شائع کیا جاتا تھا۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ سینٹ جانس کالج کی ادبی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

کتابیات

نمبر	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	سنہ اشاعت
۱	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ (تیسری جلد)	سید احتشام حسین	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی	۱۹۹۶
۲	جذبی کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر نسرین رئیس خاں	آزاد آفسیٹ پریس، جعفر آباد دہلی	۱۹۹۳
۳	خواب باقی ہیں (خودنوشت)	آل احمد سرور	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڈھ	۱۹۹۱
۴	ذوق جنوں	آل احمد سرور	سرفراز قومی پریس لکھنؤ	۱۹۵۵
۵	گداز شب	معین احسن جذبی	لبرٹی آرٹ پریس، پٹوری ہاؤس، دریا گنج، دہلی	۱۹۸۵
۶	غلام ربانی تاباں حیات اور شاعری	شفیق النساء قریشی	نئی آواز، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵	۱۹۸۰
۷	نقد و نظر	حامد حسن قادری	شاہ اینڈ کمپنی، آگرہ اخبار، برقی پریس، آگرہ	۱۹۴۲
۸	مجاز حیات اور شاعری	منظر سلیم	کتاب پبلشرز چوک، لکھنؤ	۱۹۶۷
۹	داستان تاریخ اردو (تیسری ایڈیشن)	حامد حسن قادری	لکشمی نارائن اگروال تاجر کتب آگرہ	۱۹۶۶
۱۰	مجاز سوانح شخصیت اور شاعری	محمد حسین دیپک شکوہ آبادی	اردو اکیڈمی، اتر پردیش، لکھنؤ	۱۹۸۰
۱۱	تاریخ مرثیہ گوئی	حامد حسن قادری	خواجہ پریس دہلی	معلوم نہیں
۱۲	میکش اکبر آبادی	(مرتب) معین فریدی	بزم اقبال آگرہ، انجمن ترقی اردو اتر پردیش آگرہ	۱۹۸۸
۱۳	دیوان غالب	(مقدمہ) نور الحسن نقوی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڈھ	۱۹۹۹
۱۴	تاریخ و تنقید (دیباچہ)	مولانا حامد حسن قادری		معلوم نہیں
۱۵	ادبی تاثرات حصہ اول	ل۔احمد اکبر آبادی	انجمن ترقی اردو ہند مغربی بنگال	۱۹۵۹

رسائل

نمبر	رسالے کا نام	مصنف	مضمون کا نام	سنہ اشاعت
۱	اردو کالج میگزین آگرہ (آگرہ)	عزیز اکبرآبادی	بزم اقبال	۱۹۷۶
۲	کتاب نما کا خصوصی شمارہ (جامعہ نگر)	عقیل احمد	مغیث الدین فریدیؔ سے انٹرویو	۱۹۹۴
۳	نقوش شخصیات نمبر	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی	حامد حسن قادری	۱۹۵۶
۴	نقوش لاہور، سالنامہ (مکتوب)	مکتوب حامد حسن قادری	حفیظ ہوشیارپوری کے نام	۱۹۷۶
۵	نقوش آپ بیتی نمبر	میکش اکبرآبادی	میکش کی کہانی میکش کی زبانی	۱۹۶۴
۶	علی گڑھ میگزین	میکشؔ اکبرآبادی	مجازؔ	معلوم نہیں
۷	نقوش شخصیات نمبر	انور عظیم	جذبیؔ	۱۹۵۶
۸	سینٹ جانس کالج کی انگریزی میگزین (شفق)		پرنسپل کی رپورٹ	۱۹۳۴
۹	شفق	سید معظم علی شاہ	شعبہ اردو و فارسی	۱۹۵۲
۱۰	سینٹ جانس کالج کی انگریزی میگزین		پرنسپل کی رپورٹ	۱۹۷۰_۷۱
۱۱	,,		,,	۱۹۱۵_۱۶
۱۲	,,		,,	۱۹۳۳
۱۳	یوم میکشؔ، کل ہند سیمینار اور سیمینار (مجلّہ)	ڈاکٹر شفیق احمد اشرفی	زیر اہتمام شعبہ اردو سینٹ جانس کالج	۱۹۹۲
۱۴	کل ہند سیمینار، ل۔احمد اکبرآبادی (مجلّہ)	ڈاکٹر شفیق اشرفی	,,	۱۹۹۵

سینٹ جانس کالج کی اردو میگزین ''شفق''

شمارہ	مدیر/مرتب	سنہ اشاعت
۱	حامد حسن قادری	۱۹۳۳
۲	,,,,	۱۹۳۴
۳	,,,,	۱۹۳۶
۴	,,,,	۱۹۳۷
۵	,,,,	۳۸
۶		۱۹۹۳
۷	,,,,	۱۹۴۰
۸		۱۹۵۲
۹	مغیث الدین فریدی	۱۹۵۷
۱۰	معظم علی شاہ	۱۹۶۷
۱۱	,,,,	۱۹۶۹
۱۲	علی احمد فاطمی	۱۹۸۱
۱۳	,,	۱۹۸۲
۱۴	سید محمد امین	۱۹۸۵